

# معالی الہم

احوال واذکار حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت جنید بغدادیؒ

محمد علی چراغ









# معالی الہم

احوال و اذکار حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت جنید بغدادیؒ

محمد علی چراغ

نذیر سنز پبلشرز

۴۰- اے اردو بازار لاہور

مکمل علم

مکتبہ اہل سنت لاہور

1998

نذیر حسین نے

زادہ بشیر عزیز سے چھوا کر

نذیر سز پبلشرز ۳۰ - A اردو بازار لاہور سے شائع کی

قیمت 75 روپے

# فہرست

۸

## احوال و اذکار

## حصہ اول

مرتبہ مُرشد  
اللہ کے ولی والیان اسرار ہوتے ہیں۔  
ایک حکایت۔  
حقیقت توحید  
عبادات کا تسلسل  
حقیقت حج  
نظارہ حق  
انسان کا مقام  
صاحبِ حجۃ  
توحید اور توحیدِ خاص  
محبت کی تشریح  
ایک واقعہ ایک کرامت  
جنید بغدادی کے چند خواب  
اللہ کے پسندیدہ عمل  
صدق کیا ہے؟

سیاسی و سماجی پس منظر  
نفسی و فکری پس منظر  
ایرانی اثرات  
علوم و فنون کی ترقی  
بغداد، اسلامی دنیا کا مرکز  
ولادت حضرت جنید بغدادیؒ  
شکر کا ذکر۔  
حصولِ علم اور علم کی پیاس  
صوفیانہ تعلیمات۔  
توحید کے بارے میں  
فنائے صفت  
نفسی ذات  
معرفتِ الہی  
فقر کی تعریف  
تصوف کیا ہے؟

معالی الہم میں سے ارشادات

اعلائے حق

۵۱

معالی الہم اور تعارف

حصہ دوم

باب نمبر ۱: عالیٰ محبت - بلند ہمتوں والے ۵۹

غایت بقدر ظرف	وقت پرواز اور منزل مقصود
رزق مقسوم	عزم مصمم
عقبیٰ والے	عمل اور ارادہ
مقصد کا حجاب	رخ کا تعین
مرحلہ عشق کے کرشمے	انسانوں کی قسمیں
حدیث نبویؐ	طالب دنیا
محبت کا بدلہ محبت	اہل عشق

باب نمبر ۲: اللہ کو کافی سمجھنے والے ۷۱

عارف کا ادنیٰ درجہ	دنیاوی فراغت کے قرینے
جنت کی حقیقت	آزمائش ہے اللہ والوں کے لئے
مقام عروج و غلطی	معیار فضیلت
دارین سے پھٹکارہ	ایک حکایت
	ایک نصیحت

باب نمبر ۳: اللہ کے دوست اور غیرت الہی ۸۲

ربّ اربنی	اللہ کی غیرت
ماسوائے محبوب	طالب و مطلوب
غار والے بزرگ	شانِ استقامت اور دیوار الہی



دل میں غیر کا مقام  
صرف اللہ کی محبت

جنت کی جھلک  
جذبہ کئی  
حکایت

## ۹۰ عارفوں کی عالی ہمتی

## باب نمبر ۱۲

عبادت گزار اور مرادیں  
عابد و معبود  
عبادت بلحاظ شوق  
عالی ہمتی کی انتہا -  
نعمتِ حق -

اصحاب کہف  
جوانِ ہمت عارف  
اللہ کے برگزیدہ -  
حضرت شعیب کا بیان  
مشروط عبادت  
تین گروہ تین درجے

## ۹۹ عارفوں کی ہمت اور اللہ کی معرفت

## باب نمبر ۵

رضائے الہی -  
معرفت کا چشمہ فیض -  
معرفت پانے والے -  
ادصاب عارف -

جنت کی رغایاں  
ابراہیم اور آتشِ فردوس  
نورِ مومن اور نارِ جہنم  
دوزخ کی حقیقت -

## ۱۰۰ عارفوں کا تحفظِ نفس

## باب نمبر ۶

سائل بے نوا -  
حصانت کی باریکیاں  
سوالِ ہمتِ شکیں ہوتا ہے -  
ہمت کا مقامِ عالی -  
دنیا دی و سو سے اور خواہشیں -

صیانت اور طریقت  
نفس کی قلعہ بندی  
سوال سے اجتناب  
محتاج سے طلب -  
طرفِ سوال اور طلب -

خدا سے متعلق سوال

حصانت، طریقت اور مروت  
عارف آگ سے کھینتا ہے۔

### باب نمبر ۷ : کلام معرفت کرنے والوں کے لئے ۱۱۷

زبانِ قال اور زبانِ حال

عارفوں کی باتیں۔

عارف کا حال۔

منصب رسالت۔

کلام بقدر ظرف سامع۔

اصحاب عقل و خرد

آداب گفتگو۔

عارف کے کلام کے قرینے

اسرار کلام عارف

### باب نمبر ۸ : اہلِ مہمت کے کلام کی فضیلت ۱۲۶

اللہ کی طرف دعوت

اتصال اور الفضل

مقامِ صدق و صفا

طلب کی موج لہریں

نور کی بصیرت

عارف کا کلام امانتِ الہی ہے

اللہ کا دیدار

عارف کی حکمت و دانش۔

ذکرِ عنایات

قلب کی پاکیزگی۔

اللہ کی طلب۔

کنزِ المعرفت۔

تحقیق کے امام۔

خیبرِ اکثرا۔

### باب نمبر ۹ : حضرت بایزید بسطامیؒ کے معرفت اور عالی مہمتی ۱۲۵

معرفت کا مقام

مطالعہ کی اہمیت۔

بندے کے حجابات

بایزید کا مرتبہ۔

عارف کی چیخ اور حجاب

اسمِ اعظم

حضرت بایزید کا ایک خواب

ادنیٰ درجہ

اہلِ فضیلت اور اہلِ معرفت

خالق و مخلوق۔

ایک دعا۔

معرفت کی روح

ذکر کرنے والی زبان

جلالتِ الہی کا اثر

اللہ ہی اللہ

حکایت۔

## باب نمبر ۱۰: آفات و ادبار کی صورتیں ۱۴۹

خود پسندی۔

سب کچھ توفیقِ ایزدی ہے

من جانب اللہ

اللہ خوب جانتا ہے۔

غفلت اور معرفت۔

استدراج۔

حالات اللہ کے ہیں۔

عارف ایک سمندر۔

دنیا کی حیثیت۔

اہلِ غفلت۔

ابلیس کا حال

حجابِ کائنات

قریب کا شکار ہونا۔

عارفوں کا ظرف۔



## حضرت جنید بغدادیؒ

### احوال و اذکار

ظہور اسلام سے بے کر عباسی خلیفہ  
سیاسی، سماجی پس منظر؟ مامون الرشید تک کی تقریباً دو سو سالہ تاریخ اسلام  
میں متعدد حوالوں سے کئی نشیب و فراز آچکے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کے مبارک عہد سے دور خلافت راشدہ میں تو مسلمانوں کی فتوحات کا  
ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تبلیغ دین اسلام پر بھی خصوصی توجہ دی جانے  
لگی تھی۔ خلافت راشدہ کے دور میں عربوں نے سجا طور پر سیاسی، معاشرتی،  
تعلیمی اور اقتصادی طور سے بھی کئی مراحل طے کر کے ایک نئے باب کا اضافہ  
کر دیا تھا۔

پہلی صدی ہجری کے ساتویں عشرے ہی سے بنو امیہ کا عہد حکومت شروع  
ہو گیا تھا۔ اموی حکمرانوں نے اسلامی دنیا کے مرکز سے امیر معاویہ ہی کے عہد سے  
فتوحات کا آغاز کر دیا تھا۔ اس لئے شمالی افریقہ اور بحیرہ اوقیانوس کے ساحلوں کے  
ساتھ ساتھ مسلمان مبلغین اور مجاہدین نے پہنچنا شروع کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ  
اسی دور میں مشرقی افغانستان اور بڑے عظیم پاک و ہند کی وادیوں میں بھی مسلمان پہنچ



گئے تھے۔ اس کے بعد کے برسوں میں شمالی افریقہ کے متعدد علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچایا جا چکا تھا۔

پھر دوسری صدی ہجری کے طوع کے ساتھ ہی مسلمانوں کی سلطنت پھیلتے ہوئے سمرقند، بخارا اور کاشغر تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد ایک جواں سال جرنیل محمد بن قاسم نے ہندوستان میں وادی سندھ کو تسخیر کر لیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اپنی خصوصی توجہ اور سیاسی، اقتصادی اور علمی ادبی بصیرت سے اس وقت کی پوری اسلامی دنیا کو چکا چوند بنا دیا تھا۔ ادھر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے سپین میں فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ قتیبہ بن مسلم بھی پائے در پائے فتوحات حاصل کر چکا تھا۔

پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور حکومت شروع ہوا تو اس دور میں فتوحات و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا میں اصلاحات کے نفوذ پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ بیرونی اسلامی فتوحات میں اب تو مسلمان فرانس کی وادیوں میں بھی داخل ہو گئے تھے۔ فرانس کے کئی ایک جنوبی حصوں پر اسلامی تسلط اور قبضہ قائم ہو گیا تھا۔ انہی حکمرانوں کی فتوحات اور توسیع سلطنت کے ساتھ ساتھ انتظامی اور سیاسی اعتبار سے بھی کئی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا ہونے لگے تھے۔ چند ایک اندرونی اور بیرونی شورشوں نے بھی سر اٹھایا تھا۔ یہی نہیں بلکہ تحریک عیسائیت بھی شروع ہو گئی تھی۔ اموی دور حکومت میں اسلامی دنیا میں اقتصادی اور مادی و ثقافتی ترقی کے ساتھ

ساتھ افکار و نظریات کی ترقی بھی ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فدائین کے کئی ایک گروہ منظر عام پر آئے۔ ان میں تو ابین اور شیعیان علی سب سے اہم تھے۔ پھر اسی طرح ایک موثر اور مستحکم گروہ خوارج کا بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کا نعرہ اور منشور یہی تھا کہ ”اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہے۔“ آواز

میں خوارج سیاسی امور اور سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے لیکن بعد کے برسوں میں انہوں نے خالصتاً مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خوارج کا بڑا گروہ مزید بیس بائیس فرقوں اور نظریوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

اموی دور کا ایک اور گروہ مرجیہ کا تھا

**مذہبی اور فکری پس منظر :** یہ لوگ اعتدال پسند تھے۔ بنیادی طور پر اس فرقے

اور گروہ کے لوگ گناہ کرنے والے کو اس کے اعمال بد کے باعث کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ وہ گنہگار اور کافر میں فرق کرتے تھے۔

اس دور میں خوارج ہی کی طرح ایک بڑا مذہبی اور فکری گروہ معتزلہ کا بھی تھا۔

یہ لوگ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے شاگرد واصل بن عطاء کے ماننے والے تھے۔ اس فرقہ کے لوگ اپنے آپ کو عدل و توحید والے لوگ کہا کرتے تھے۔ اس گروہ کے لوگ یونانی فلسفہ سے خاصے متاثر تھے اور اسی حوالے سے وہ اسلامی تعلیمات کو بھی عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ اسلامی نظریات کو وہ اپنی عقل کے مطابق ڈھالنے کے قائل تھے۔ منطق اور عقل کی کسوٹی کو وہ اہم اور فائق سمجھتے تھے۔ اسی حوالے سے انہیں عقلیت پرست بھی کہا جاتا رہا ہے۔ وہ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق تصور کرتے تھے۔ انسان کو وہ اپنے اعمال میں کلی طور پر خود مختار گردانتے تھے۔ اس فرقے کا آغاز بنو امیہ کے آخری دور میں ہو گیا تھا۔ پھر بعد میں عباسی دور حکومت اس فرقہ کی ترقی اور عروج کا عہد ثابت ہوا۔

معتزلہ کی طرح ایک اور گروہ "جبریہ" کا بھی اسی دور میں پیدا ہو گیا تھا۔

یہ فرقہ بنیادی طور پر اس نظریے کا قائل تھا کہ "انسان اپنے افعال و کردار میں مجبور محض ہے، اس کو اپنے اعمال پر کوئی اختیار اور قدرت حاصل نہیں ہے بلکہ سارے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کی جانب سے صادر ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان



اپنے نیک یا بد اعمال کا ذمے دار نہیں ہے۔ یہ فرقہ قرآن حکیم کو بھی مخلوق تصور کرتا تھا۔ اس فرقہ کا بانی ایک ایرانی باشندہ جعد بن درہم تھا۔

اموی حکومت کے بعد دور عباسی کا

ایرانی اثرات : آغاز ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی حکمرانوں نے متعدد امور

اور فتوحات میں ایرانیوں سے بھرپور مدد اور تعاون حاصل کئے رکھا تھا۔ ان سے پیشتر حجاج بن یوسف نے عربی کو سرکاری زبان تو بنا دیا تھا لیکن اب اس عہد میں عربی کے ساتھ ساتھ دوسری زبانیں بھی بجا طور پر فروغ حاصل کیا۔ اس طرح عرب حکومت میں عربی اثرات کے بجائے ایرانی اثرات بھی ہر میدان میں اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔ رہن سہن، لباس، روزمرہ عادات و اطوار میں ایرانی رنگ ڈھنگ نمایاں ہونے لگا تھا۔ عباسی حکومت میں سیاسی اور انتظامی طور پر ایرانیوں کا عمل دخل اور مناصب بھی قابل قدر ہو گئے تھے۔ سارا انتظام سلطنت ایرانی پر تو دینے لگا تھا۔

دوسری جانب ادب اور معاشرت اور معیشت میں بھی ایرانی رنگ غالب آنے لگا تھا۔ ایرانی علوم و فنون اور افکار و نظریات کی گونج بھی ایران عباسیہ میں سنائی دینے لگی تھی۔ ایرانیوں کے اس قدر اثر و رسوخ اور عمل دخل کے باعث ایرانیوں کے مذہبی افکار اور نیم مذہبی روایات بھی عرب دنیا میں پروان چڑھنے لگیں اور اس طرح طاقتور عجمی تہذیب و ثقافت نے عربی تہذیب و تمدن کو اپنے قریب کر لیا تھا۔

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دور

علوم و فنون کی ترقی : حکومت میں جبکہ رومی سلطنت کے مختلف علاقوں

پر مسلمان مجاہدین نے حملوں کے بعد فتوحات شروع کر دی تھیں اس کے بعد رفتہ رفتہ رومی تہذیب و ثقافت اور فلسفہ حیات بھی رنگ دکھانے لگا تھا۔ اسلامی دنیا میں

کئی ایجادات ہونے لگی تھیں۔ علوم و فنون میں لاتعداد یونانی کتابوں کے عربی زبان میں تراجم ہونے لگے تھے۔ ان تراجم کی شاہی دربار سرپرستی کرتے تھے۔ اس طرح اسلامی فلسفہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ متمول اور وسیع ہو گیا۔ بیت الحکمت میں ترجمے کا باقاعدہ ایک لازمی اور بڑا شعبہ قائم کر دیا گیا تھا۔ علم ہیئت و نجوم، سیاست، تفسیر، فقہ، شاعری اور ادب نے بھی بڑی حد تک ترقی کر لی تھی۔ فنون میں تعمیرات، موسیقی، رقص، ثقافتی لباس اور آداب شاہی دربار نے بھی بڑی امتیازی ترقی کر لی تھی۔ حساب، جیومیٹری اور اقلیدسی علوم میں تو مسلمان اس وقت کی پوری دنیا میں سب سے زیادہ منظم اور ترقی یافتہ تھے۔

مذہبی اور دینی طور پر اس عہد میں چونکہ کئی فرقے پیدا ہو چکے تھے اس لئے ہر فرقے کے اہل علم اور عالم فاضل لوگوں نے اپنے اپنے فکری مکتب اور گروہ بنا لئے تھے۔ کئی فرقوں نے اپنے اعتقادات کی تبلیغ و تشہیر کی خاطر اپنی اشاعتی سرگرمیاں بھی شروع کر رکھی تھیں۔ لیکن اس وقت کے خلفاء ان مذہبی فرقہ وارانہ سرگرمیوں کے فروغ میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے بلکہ بعض فرقوں کو تو وہ شدید ناپسند بھی کرتے تھے اور ان کی سرگرمیوں اور اشاعت پر پابندیاں عاید کرتے تھے لیکن ان تمام علماء اور اہل علم کے ساتھ ساتھ حتیٰ پرست علماء بھی موجود تھے، وہ نہ حکومت کے خاصہ سے خائف تھے اور نہ کسی اور دنیاوی لالچ میں ملوث ہوئے تھے۔

بہر صورت اموی دور حکومت کے بعد عباسی عہد میں پوری اسلامی دنیا مکمل طور پر یونانی مفکرین اور ان کے فلسفوں سے آگاہ ہو چکی تھی۔ لوگ ارسطو اور افلاطون کے یونانی افکار سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی علوم اور فلسفہ بھی عربی زبان میں ترجمہ ہونے کے بعد عربوں کے لئے دور کی بات نہیں رہا تھا۔ کئی اہم اور بڑی بڑی ہندوستان کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ ہو کر عرب



دنیا سے باہر بھی متعارف ہونے لگی تھیں۔ دوسری جانب عربوں کے اپنے عہد کی تمام مذہبی تحریک اور افکار پر بھی باضابطہ کام ہوا تھا۔ اس طرح ہارون الرشید کے دور حکومت میں قاضی ابویوسف نے حنفی فقہ کی تدوین، امام بخاری نے حضور نبی اکرم کی قریناً تمام احادیث کو مدون اور مرتب کر دیا تھا۔ ان کے بعد حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے بھی اپنے اپنے نقطہ نظر سے اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کا کام کیا۔

اسلامی فتوحات اور کبھی حد تک

بغداد اسلامی دنیا کا مرکز : سیاسی استحکام کے باعث اسلامی دنیا کا ایک بڑا مرکز بغداد بھی سجا طور پر ترقی کرنے لگا تھا۔ دریا و جہلہ کے کناروں پر اس شہر نے اسلامی دنیا میں امتیازی حیثیت اور اہمیت حاصل کر لی تھی۔ بغداد ابتدا میں تو قدیم قصبہ تھا لیکن عہد اسلامی میں اسے بہت ترقی ملی۔ ۶۶۰ء میں ابو جعفر المنصور نے اس شہر کو جدت بخشنے کا آغاز کیا تھا اور اسی وقت اس نے اس قدیم ساسانی گول کی جگہ پر ایک نیا اور جدید شہر بنانا شروع کر دیا تھا۔ دریائے و جہلہ اس شہر کے عین درمیان میں سے گزرنے کے باعث شہر کو ایک پرستانی حُسن بخشا تھا۔ شروع شروع میں یہ شہر ایک قلعہ نما خوب صورت شہر دکھائی دیتا تھا۔ پھر بعد کے برسوں میں اسلامی حکمرانوں اور خلفائے یہاں پر عالیشان محلات اور عظیم الشان مساجد کی تعمیر شروع کر دی اور یوں یہ شہر الف لیلوٰی داستانوں اور کہانیوں کا مرکز بن گیا تھا۔

بغداد کو خلفائے تعمیر و ترقی کے باعث اور مساجد کی تعمیر سے اپنے دور کا ایک سب سے بڑا خوب صورت شہر بنا دیا تھا۔ اس کے بعد امین اور مامون الرشید کے دور میں تو اس شہر کو ایک لازوال عروج مل گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی بعض

شورشوں نے اسے نقصان بھی پہنچا دیا تھا۔ لہذا ایک بار پھر مارون الرشید کے دور میں بغداد دوبارہ عظمت کی بندیوں کو چھوٹے لگا تھا۔ بعد میں بغداد کو معتد، مکتفی اور مقتدر نے بھی بہت ترقی اور عروج بخشا۔ انہوں نے محلات، شاہی دفاتر، کتب خانوں، ثقافتی عمارات اور کئی فلاحی عمارات بنا کر اس شہر کو ممتاز بنا دیا تھا۔ اس وقت بغداد اپنی سیاسی، ثقافتی، مذہبی اور تجارتی حیثیت سے بھی اس وقت کی پوری دنیا میں اہم اور سر بلند ہو گیا تھا۔ سوئی اور ریشمی کپڑوں کی تجارت کے ساتھ ساتھ بغداد کے رومال اور عملے اس دور میں بھی بے حد شہرت یافتہ تھے۔

عوامی فلاحی حوالے سے اور دینی تبلیغ کی خاطر مدارس کے فروغ کے لئے خلیفہ الموفق نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں قریباً تین لاکھ مساجد تعمیر کرا دی تھیں۔ پھر لوگوں اور تاجر پیشہ مسافروں کی سہولت اور آرام کی خاطر بغداد میں حماموں کی تعمیر بھی بدستور ہوتی رہی۔ ایک وقت میں بغداد میں کم بیش ساٹھ ہزار حمام بھی موجود تھے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ ایک حمام قریباً ایک سو گھروں کے کام آتا تھا۔ اس سے شہر کی آبادی اور اس کی وسعت اور ترقی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بغداد کے خلفاء نے بدستور سرپرستی جاری رکھی۔ اس طرح دور عباسی میں تو بغداد اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ اس شہر کی لاتعداد اور نہایت خوبصورت مساجد نے اسے بہت شہرت بخش رکھی تھی۔ پھر ان مساجد میں اسلامی علوم اور تعلیمات کے مدرسوں کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا۔ ان کے ساتھ کتب خانے اور پھر ترجمہ کے ادارے بھی موجود تھے۔ بغداد کا "بیت الحکمت" علوم و فنون کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس میں دنیا کی ہر اہم اور بڑی زبان کی کتابوں کے ترجمے کا اہتمام تھا۔ بیت الحکمت کو اس اعتبار سے پوری دنیا کے علوم و فنون میں مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اس سے بڑے اہل فکر و نظر، علماء، دانش ور



اور کئی کئی زبانوں پر عبور رکھنے والے اس عہد کی اسلامی دنیا کے مفکرین اور مترجمین وابستہ تھے۔ دنیا جہاں کے سینکڑوں علوم و فنون اس دور میں بغداد میں موجود تھے، علماء اور دانشور ادیان اور فلسفوں کے تقابلی مطالعے بھی کر رہے تھے اور روز افزوں نئے نئے فلسفے بھی پروان چڑھ رہے تھے۔

بغداد میں علوم و فنون کے

**ولادت حضرت جنید بغدادیؒ** ۱ از وہام کے باعث نوع بہ نوع بمشوں

اور اذکار و نظریات کی آدیز شوں کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ عظمت پسند لوگ اپنے آپ ہی کو سب پر برتر اور فائق سمجھنے لگے تھے۔ ان حوالوں سے شریعت و طریقت کے نظام افکار میں بھی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ "الہیات، فقہ، ادب اور فلسفہ کے متضاد نظریات پر مبنی کئی ایک مکتبہ فکر وجود میں آگئے تھے۔ ذہنی انار کی اپنی اس حد تک انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ متضاد سیاسی تحریکوں سے معاشرتی و سماجی زندگی و مہشت زدہ تھی۔ اباحی اور قرامطہ کی مہمانہ دیوانگی، بصرہ کے علماموں کی بے چینی اور طبقاتی کشمکش نے بھی ان نام نہاد ترقی پسندانہ نظریوں کے فروغ کے لئے بنیاد مہیا کی جو شریعت اور طریقت کے درمیان کسی تعلق کو درست قرار نہیں دیتے تھے۔" ان اذکار و نظریات کی موجودگی میں مسلمان خلفاء جو ترقی اور عقلیت پسندی کے فروغ کی خاطر ہر طرح کے علوم و فنون اور نظریات و افکار کی سرپرستی فرماتے تھے۔ ان کی اس روش نے بھی نظریات کو کئی طرح کے سرکاری تحفظات فراہم کر رکھے تھے۔ لیکن اس ساری صورت حال اور تناظر میں بھی بعض عمامے حقہ اپنا اہم کردار ادا کرنے پر مامور تھے۔

اسلامی دنیا کے اسی دور اور تناظر میں ۲۱۰ ہجری (۸۲۵ء) کے قریب حضرت جنید بغدادیؒ ایران کے شہر نہادند کے ایک خاندان کے گھر بغداد میں

پیدا ہوئے۔ نہاد شہر کو ایران کے چند ایک خوبصورت شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوالقاسم جنیدؒ کے والد شیشہ گھر تھے۔ اسی واسطے سے وہ محمد قواریری کہلاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ریشم اور ریشمی کپڑے کا کاروبار بھی کیا کرتے تھے۔ لہذا اس طرح وہ بغداد میں آتے جاتے رہتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کے والد مستقل طور پر بغداد میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہاں پر ان کا شیشہ گری کا پیشہ زیادہ منفعت بخش ثابت ہوا تھا۔

حضرت جنید بغدادی ابھی اوائل عمر ہی میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ لہذا والد کے انتقال پر والدہ نے انہیں اپنے بھائی اور جنید کے ماموں حضرت سری سقطیؒ کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اس دور میں حضرت سری سقطیؒ بغداد کے اہل علم اور معزز لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ علماء، دانشوروں، سیاستدانوں اور زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعدد مقتدر لوگوں کے ساتھ ان کے گہرے اور دوستانہ مراسم تھے۔ حضرت سری سقطیؒ کو خود ایک دکان میں مصلحے کا کاروبار کرتے تھے۔ بغداد کے ایک مشہور اور بارونق بازار میں ان کی دکان خاصی مشہور تھی۔ مشہوری ایک خاص وجہ سے تھی کہ وہ عام دوکانداروں اور تاجروں کی طرح صرف جلب منفعت ہی کے پیچھے نہیں رہتے تھے بلکہ وہ ایمانداری اور اصول پرستی سے دکانداری اور تجارت کرتے تھے۔ سری سقطیؒ چونکہ خود بھی اہل علم اور احوال دین و دنیا سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے انہوں نے اپنے بھانجے ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کی ابتدائی تربیت میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے کر انہیں شروع ہی سے اسلامی دینی تعلیمات اور قرآن پاک کے مطالعے میں لگا دیا تھا۔ حضرت سری سقطیؒ خود بے اللہ پر توکل رکھنے والے تھے لہذا انہوں نے اپنے بھانجے کو بھی اللہ پر توکل ہی کی تعلیم دی۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے دس سال کی عمر تک قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور



ماسوں کی محتاط نگرانی میں حدیث کی تعلیم کا بھی آغاز نہ کر دیا تھا۔ تعلیم حدیث کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کا بھی وہ سبق حاصل کرتے رہے۔ کتابت حدیث میں ان کے استاد گرمی کا نام حضرت حسن بن عرفہ بتانا جانا ہے۔ تعلیم حدیث کے ساتھ کتابت حدیث نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

حضرت سری سقطیؒ خود بھی علم توحید میں ایک امتیازی مقام اور مرتبہ رکھتے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے بھانجے ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کو علم توحید کا درس دینے میں زیادہ توجہ فرمائی۔ اس کے علاوہ فقر کی تعلیم بھی دی۔ اس طرح حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اہل علم ماسوں سری سقطیؒ کے زیر نگرانی جاری و ساری رہا۔

حضرت سری سقطیؒ خود ایک بہت بڑے عالم دین

اور بغداد کے مشہور مجلسی بزرگ تھے۔ ان کے گھر پر اکثر اہل علم

کی مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ بھی ان مجالس میں کسی نہ کسی حیثیت میں شامل رہتے تھے۔ لوگوں کے افکار و خیالات کو وہ بغور سنتے اور پھر ان پر غور و فکر بھی کرتے تھے۔ اب انہیں اس طرح کی مجلسیں حصول علم و آگہی کے حوالے سے

بہت اچھی محسوس ہونے لگی تھیں۔ ان مجلسوں میں ان کے ماسوں بھی ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کو

بعض اوقات دانستہ بھی شامل رکھتے تھے۔ یوں کبھی کبھار براہ راست مخاطب بھی ہو جاتا تھا۔

انہی مجالس کا دور تھا اور ابوالقاسم جنید بغدادیؒ ابھی اپنے بچپن ہی میں

تھے کہ ایک دن حضرت سری سقطیؒ کے گھر پر ایک مجلس میں شکر کے موضوع پر

بات چیت ہو رہی تھی۔ اس مجلس میں علوم و معارف پر بحث کرنے والے کئی جید

منازع بھی موجود تھے۔ اس بحث و مباحث میں کئی طرح کا اظہار خیال ہو رہا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت جنید بغدادیؒ کی عمر صرف سات سال تھی، اور ابھی

وہ صرف قرآن حکیم کے طالب علم تھے لیکن اہل علم کی ایسی متعدد مجالس کو سُن چکے تھے۔ اس بحث میں حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بھانجے ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بیٹے بتاؤ کہ شکر الہی کیا چیز ہے؟

ماموں اور استاد محترم کے اس بے ساختہ اور فی البدیہہ سوال پر بھانجے اور شاگرد خاص ابوالقاسم جنید بغدادیؒ نے اپنی کم سنی کے باوجود برے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ بصدا احترام جواب دیا کہ "لا یعیی اللہ نبعہ" یعنی "اللہ کی نعمت کا کفران نہ کیا جائے۔ اللہ کی ذات پر کسی دوسرے کو ترجیح نہ دی جائے۔"

ابوالقاسم کے اس جواب پر حضرت سری سقطیؒ نے جذبات و احساسات کے طے مجھے انداز میں کہا کہ اسے ابوالقاسم جنید مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ تمہیں یہی انداز اور زبان ہی نہ بخش دیں۔

**حصولِ علم :** کے بعد اپنے بھانجے کے نظریات سے کئی معاملات میں رائے لیا کرتے تھے۔ حضرت سری سقطیؒ نے اب اس دور میں ریشم کا کاروبار بھی شروع کر دیا تھا۔ لہذا ابوالقاسم جنید بغدادیؒ نے بھی اپنے ماموں کی معیت میں ریشم کا کاروبار ہی اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حصولِ علم حدیث کی لگن بھی قائم رکھی۔ حضرت جنیدؒ اپنا بیشتر وقت گھر پر مطالعہ اور دینی علمی مجالس ہی میں گزارتے تھے۔ گھر پر ہونے والی مجالس نے انہیں اس عہد کے تمام ہم عصر نظریوں اور فلسفوں سے آگاہی بخش دی تھی۔ بیس سال کی عمر تک ابوالقاسم جنید بغدادیؒ نے فقہی مسائل میں بھی خاصی دسترس حاصل کر لی تھی۔ دینی مسائل اور فقہی امور میں حضرت جنید بغدادیؒ کا فکر و فلسفہ اور اندازہ و اسلوبِ قدرے ترقی پسندانہ تھا۔ ان قیمتاںہ تعبیرات اور توضیحات میں بھی یہی انداز کار فرما تھا۔

یوں رفتہ رفتہ حضرت جنید بغدادیؒ کی فقہی بصیرت اور آگاہی بجا طور پر مشہور ہوتی



گئی۔ اسی دوران میں حضرت جنید بغدادیؒ نے حارث المحاسبیؒ جیسے کامل اور جید عالم کی صحبت اختیار کر لی تھی۔ حضرت حارث المحاسبیؒ کی صحبت نے ان پر اپنا رنگ چڑھایا۔ یوں وہ لذتِ تصوف سے آشنا ہوتے گئے۔ حضرت حارث المحاسبیؒ خود بھی صوفیانہ کی متعدد اہم کتابوں کا عمیق مطالعہ کر چکے تھے۔ اس حوالے سے حارث المحاسبیؒ کے افکار اور تعلیمات نے سجا طور پر حضرت جنید بغدادیؒ پر گہرے اثرات چھوڑے۔ پھر ایک مدت کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ نے سوالات کر کے حضرت حارث المحاسبیؒ سے تعلیمات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ پھر متعدد تذکرہ نگاروں نے حارث المحاسبیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے تعلقات کو خاص مقام دیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ جس قدر علم و فضل سے فیض یاب ہوتے جاتے تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ غور و فکر کی خاطر تنہائی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ بلکہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے تنہائیاں پسند ہیں“ اور وہ سجا طور پر تنہائی میں خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مباحث میں حصہ لینے کی بجائے دوسروں کے افکار و نظریات کو سننے پر زیادہ توجہ دیتے اور اسی پر غور و فکر کرتے۔

حضرت حارث المحاسبیؒ چونکہ خود بھی ایک روشن خیال اور منور ضمیر صوفی تھے۔ علم الہیات پر ان کی گہری نظر تھی اس کے باوجود وہ خود آزاد خیال صوفیانہ اندازِ فکر کے حامل تھے۔ میانہ روی کے حامی تھے۔ الہام سے وہ دور بھاگتے تھے۔ ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا راز قرآن مجید ہی کے گہرے اور عمیق علم میں ہے۔ اسی لیے حضرت جنید بغدادیؒ کے الہیات کے بارے میں نظریات قرآن و سنت ہی پر مبنی تھے۔ اس کے برعکس حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے ماموں کی نصیحت کے مطابق حضرت حارث المحاسبیؒ کی فکری و نظری بحث و استدلال اور معتزلہ کے بارے میں محتاط رویہ ہی اختیار کیا۔ بہر صورت حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت حارث المحاسبیؒ کی صحبت میں کم و بیش



دس سال کا عصر گذرا۔ اور یہ دس سال انہوں نے ایک موڈب اور سچے شاگرد کی طرح گزارے اور بڑی عقیدت مندی کے ساتھ تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہوئے

حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت حارث المحاسبیؒ

**علم کی پیاس :** کی صحبت اور تعلیم و تربیت کے دوران میں یہ جان لیا تھا کہ علوم کو جانے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت جنید بغدادیؒ اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے اسی شوق کے تحت علوم حاصل کرتے رہے۔ کبھی خاموشی میں، کبھی اچھے سامع بن کر اور کبھی سوالات کے جوابات حاصل کر کے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگردوں اور ہم عصر بزرگوں کے بیانات اور تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک بلند پایہ عارف اور صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی دینی شعار کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ ظاہری عبادات بھی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ با وضو رہتے میں وہ زیادہ سکون اور راحت محسوس کرتے تھے۔ حضرت جنید کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کوئی ثبوت میسر نہیں آتا۔ البتہ اپنی گزر بسر اور مہمان نوازی کی خاطر ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ اسی تجارت کے حوالے سے انہیں بیروسیاحت کے مواقع بھی ملتے رہتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی دنیاوی زندگی کی ضرورتوں کو بے حد محدود اور سادہ رکھا ہوا تھا۔ وہ کسی طرح کے اسراف کے بارے میں تو سوتج بھی نہیں سکتے تھے۔ البتہ مہمان نوازی اور دوستوں کی خاطر و مدارات میں بخل سے کام نہ لیتے۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے صوفیانہ

**صوفیانہ تعلیمات :** افکار و نظریات میں ایک میانہ رو اور اعتدال

پند صوفی اور عارف ہیں۔ ان کی تعلیمات میں ذات باری کے ساتھ رابطہ اور تعلق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کو کوئی مادی اور

شے تصور نہیں کرتے تھے اور نہ اسے عقلیت پسندی ہی کے تابع گردانتے تھے۔ وہ ہر طرح کے تصوف کو اسلام کی مروجہ تعلیمات سے برقرار رکھتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی اسی بصیرت کی بدولت صوفیہ کے الگ الگ نظریات کے حوالے سے گروہی تقسیم کا کام بھی لیا۔ وہ توحید کے سختی سے پابند تھے اور توحید کی بنیاد اسلام تعلیمات اور قرآنی سرچشموں پر رکھتے تھے۔ وہ احادیث نبوی سے ثابت کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسا وجود ہے جس سے نو لگائی جا سکتی ہے۔ اسی کے بارے میں غور کیا جائے اور انسان اس کی باختیار قوت کے سامنے صرف ایک پُرہ ہے۔ خدا ہی واحد حقیقت ہے اور یہ دنیا اُسے مظاہر اس وجود حقیقی کا ایک سایہ اور عکس ہے۔“ پھر حضرت جنید بغدادیؒ بندے اور خالق کے درمیان کو عبور کرنے کا ذریعہ صرف تصوف ہی کو قرار دیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے نظریہ تصوف میں تصوف کو رہبانیت کے قریب لے جانے کے بجائے عمل کی جانب گامزن کرتے ہیں۔ وہ تصوف اختیار کر کے معاشرتی اور سماجی زندگی کو تیار گئے کے قابل نہیں بلکہ انسانوں ہی کے اندر رہ کر ہر طرح کی ذمے داریاں پوری کرتے ہوئے تصوف اختیار کرتے ہیں۔ وہ تصوف میں بے عمل ہونے کے بجائے ایک فعال اور موثر عامل بننے پر توجہ دیتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا اپنے خالق

توحید کے بارے میں : حقیقی کے بارے میں جو واضح تصور ہے اس

کی جھلک صحائف سابقہ کی تعلیمات میں بھی ملتی ہیں۔ توحید کے حوالے سے ان کے نظریات بڑے واضح ہیں۔ وہ وجود باری سے وابستگی ہی کو سب کچھ تصور کرتے

ہیں۔



امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے توریت سے بارہ کلمات اخذ کئے ہیں جن پر روزانہ تین بارہ غور کرتا ہوں۔ وہ کلمات درج ذیل ہیں:

(۱) حق جل و علاء فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تجھ کو کسی حاکم اور دشمن حتیٰ کہ جبر اور شیطان سے بھی جب تک میری حکومت یعنی بادشاہت باقی ہے ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے۔

(۲) اے آدم کے بیٹے، تو کسی قوت اور طاقت اور کسی کے باعث روزی ہونے کے سبب مغرور نہ ہو۔ جب تک کہ میرے خزانہ میں تیرا رزق باقی ہے اور میں تیرا حافظ ہوں اور یاد رکھ کہ میرا خزانہ غیر فانی اور میری طاقت باقی رہنے والی ہے۔

(۳) اے بیٹے آدم کے جب تو ہر طرف سے عاجز ہو جائے اور کچھ بھی تجھ کو نہ ملے اور کوئی تیری فریاد سننے والا نہ ہو، ایسی کسمپرسی کی حالت میں اگر تو مجھ کو یاد کرے اور مجھ سے مانگے تو میں یقیناً فریاد کو پہنچوں گا اور جو تو طلب کرے گا وہ دوں گا کیونکہ میں سب کا حاجت ردا اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہوں۔

(۴) اے اولاد آدم، میں یہ تحقیق تجھ کو دوست رکھتا ہوں تجھے بھی چاہیئے کہ میرا ہو جا اور مجھے یاد رکھ۔

(۵) اے آدم کے بیٹے جب تک تو پیل مراٹ سے پار نہ ہو جائے تو میری جانب سے بے فکرمت رہ۔

(۶) اے آدم کے بیٹے، میں نے تجھے مٹی سے پیدا کیا اور نطفہ کو رحم مادر میں ڈال کر اس کو جلا ہوا خون کی کشت کا ایک لوتھڑا بنایا، پھر رنگ و صورت



اور شکل تجویز کر کے ہڈیوں کا ایک نعل تیار کیا۔ پھر اس کو انسانی لباس پہنا کر اپنی رُوح اس میں پھونکی، پھر مدت معینہ کے بعد سمجھ کہ عالم اسباب میں موجود کر دیا۔ تیری اس ساخت اور ایجاد میں مجھے کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی۔ پس اب تو سمجھ لے کہ میری قدرت نے ایسے عجیب امور کو پایۂ تکمیل پہنچایا کہ وہ سمجھ کو دو روٹی نہ دے سکے گی، پھر تو کس وجہ سے مجھ کو چھوڑ کر غیر سے طلب کرتا ہے۔

(۷) اے آدم کے بیٹے، دنیا کی تمام چیزیں تیرے ہی واسطے پیدا کی ہیں اور تجھے خاص اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے مگر افسوس تو نے ان اشیاء پر جو تیرے لئے پیدا کی گئی تھیں اپنے آپ کو قربان کر دیا اور مجھ کو بھول گیا۔

(۸) اے آدم کے بیٹے، دنیا کی تمام چیزیں اور تمام انسان مجھے اپنے لئے چاہتے ہیں اور میں تجھ کو صرف تیرے ہی لئے چاہتا ہوں، اور تو مجھ سے بھاگتا ہے۔

(۹) اے آدم کے بیٹے، تو اپنی اغراض نفسانی کی وجہ سے مجھ پر غصہ کرتا ہے مگر اپنے نفس پر میرے لئے کبھی غصہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) اے آدم کے بیٹے، تیرے اوپر میرے حقوق ہیں اور مجھ پر تیری روزی رسانی مگر تو میرے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن میں پھر بھی تیرے کردار پر خیال نہ کرتے ہوئے برابر تجھے رزق پہنچاتا رہتا ہوں اور اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

(۱۱) اے آدم کے بیٹے، تو کل کی روزی بھی مجھ سے آج ہی طلب کرتا ہے اور میں تجھ سے اس روز کے فرائض کی بجا آوری آج نہیں چاہتا۔

(۱۲) اے آدم کے بیٹے، اگر تو اپنی اس چیز پر جو میں نے تیرے مقسوم میں مقرر کر دی ہے راضی ہو تو بہت راحت اور آسائش سے رہے گا اور اگر تو

اس کے خلاف میری تقدیر سے جھگڑا اور اپنے مقصوم پر راضی نہ ہوا تو یاد رکھ کہ میں تجھ پہ دنیا کو مسلط کر دوں گا۔ وہ مجھے خراب و خستہ کرے گی اور تو کتوں کی طرح دروازوں پہ مارا مارا پھرے گا۔ مگر پھر بھی تجھ کو اسی قدر ملے گا جو میں نے تیرے لئے مقرر کر دیا ہے۔“

(اندنذرانہ مرشد: حکیم پیر سید محمد انور جیلانی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بیان کردہ توریت کے ان کلمات میں آدمی کی اپنی حقیقت، اللہ تعالیٰ کی چاہمت اور محبت اور بندے کے فرائض کی جانب واضح اشارات موجود ہیں۔ انہی حوالوں سے حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسا وجود ہے جس سے کو لگائی جاسکتی ہے۔ اور معرفت الہی بندے کو ایک بلند مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ معرفت کا ماخذ منبع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات باری ہوتی ہے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ انسان کو اپنے

**فنائے صفت:** آپ کے عاری اور اپنی ذات کے شعور سے بے نیاز ہونے کے فنائے صفت کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک فنا کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ بندہ اپنی صفات، اخلاق اور مزاج کی قید سے آزاد ہو جائے۔ دوم یہ کہ بندہ اپنے نفس کی ہر خواہش سے دستبردار ہو جائے اور سوم یہ کہ بندہ تجلیات الہی میں اپنے وجود سے بھی مایل ہو جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فنا کے اس عمل کی تکمیل کو حالت الہی کا نام دیتے ہیں۔ اس حالت میں بندہ اپنے وجود سے عاری ہو کر اپنی انفرادیت کو کھو دیتا ہے پھر اس کا وجود وجود باری کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔

حالت الہی میں اللہ کے بندے پہ اللہ تعالیٰ کا وجود چھایا رہتا ہے اس



حالت میں ذات خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی بلکہ بندہ خود ذات باری تعالیٰ کے حوالے سے موجود ہوتا ہے۔ بندے کا اپنا وجود بھی برقرار رہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات اس پر غالب رہتی ہے وہ اللہ کے حصار میں رہتا ہے اس طرح ایک عبادت گزار اپنی ذاتی صفات سے گزر کر حالت اللہ ہی میں آ جاتا ہے اور اس پر پوری طرح اللہ تعالیٰ کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یوں وہ احکام الہی کی پابندی اور سماجی پابندیوں سے بھی ماوری ہو جاتا ہے۔ یہ نظریہ حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک منفی نظریہ ہے اور اس سے ذہنی بے راہ روی آتی ہے۔ اس طرح بندہ اعمال خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”اگر میری عمر ایک ہزار سال بھی ہو تو میں یکبھی پسند نہیں کروں گا کہ اعمال خیر کے سلسلے میں ذرہ بھر بھی کمی ہو۔“

حضرت جنید بغدادیؒ فنا کے صفات میں بحالی ہوش کے نظریے کے بھی قائل ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ توحید حقیقی کا فہم و ادراک بحالی ہوش اور عمل کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ خود اسرار و رموز کو لوگوں پر بے جا کھولتے نہیں ہیں بلکہ وہ فہم و ادراک کا حصہ بنا لیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اگر

**نفی ذات :** اپنے خالق و مالک سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے تو اس لئے

شرط اولین یہی ہے کہ وہ اپنی ذات کی نفی کر دے کیونکہ اپنے مقصود کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ اپنی ذات کی سب سے پہلے نفی کرے۔ اس نفی ذات کے مرحلے میں صوفی ایک وجد آفریں مدہوشی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ کہ جب وجد آفریں مدہوشی طاری ہوتی ہے۔ بڑا نازک اور احتیاط و حزم کا متفقہ منی ہوتا ہے۔ اگر اس مرحلے پر صوفی اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے سرخرو ہو جائے پھر اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام و اکرام موجود ہوتے ہیں۔ لیکن



اگر وجد آفریں مدہوشی کے عالم میں صوفی بہک جائے یا ضابطہ نفس کی راہ سے ہٹ جائے تو اس کے لئے دُوری ہے اور اس کا ذہنی توازن بھی بگڑ جاتا ہے۔  
نفی ذات کا ایک لازمہ یہ بھی ہے کہ بندہ فنا کے صفت کے حوالے سے اپنی ہر طرح کی بصیرت اور عقل و خرد سے بھی مکمل طور سے دستبردار ہو جائے اس طرح بندہ اپنے رب کی تلاش و جستجو میں آلام و آفات کو اور ان مرحلوں میں وارد ہونے والی کیفیات کو وہ اللہ کی جانب سے ایک نعمت جان لیتا ہے۔ پھر اس مدت میں بندے کی اپنی ذات، ذات الہی سے متحد ہو کر اسی کے ساتھ ہمکار ہو جاتی ہے۔ وہی ذات باری اس ذات کی انتہا ہوتی ہے۔

**معرفت الہی :** فرماتے ہیں کہ معرفت الہی چاہے ایک ولی کو ہو یا عام آدمی کو حاصل ہو اس کی ایک ہی نوعیت ہوتی ہے۔ البتہ اس کے درجات میں فرق اور امتیاز ہوتا ہے کلاس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ولی کا علم عام آدمی سے زیادہ گہرا اور عمیق ہوتا ہے لیکن ذات حق کا مکمل علم کسی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے لیکن انسانی عقل اس کا کامل احاطہ نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے محدود ہے۔

اولیاء اللہ اور برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں عام لوگوں کے مقابلے میں بہت بلند درجے پر ہوتے ہیں۔ اس طرح بعض خواص بھی معرفت کے درجے میں عوام سے بلند ہوتے ہیں۔ اللہ کا علم اپنی پہلی حالت میں انسان سے اعلان وحدانیت کروانا ہے اور اللہ تعالیٰ کو لاشریک کہلواتا ہے۔ معرفت الہی کی گہرائی بندے کو ایک مرتبہ بلند پر فائز کر دیتی ہے اور اس بندے کا دل معرفت الہی کے نور سے معمور ہو کر متور ہو جاتا ہے۔ اس سطح پر بندہ اپنی بندگی میں خوشی اور انبساط محسوس کرتا ہے اور وہ اس انبساط

سے دور نہیں ہونا چاہتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں حضرت علی بن عثمان الجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی معروف زمانہ کتاب ”کشف المحجوب“ میں کئی حوالوں سے ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں ”کشف المحجوب“ میں سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فقر کی تعریف

**فقر کی تعریف :** کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا کہ ”فقر نام ہے تمام توہمت سے دل کا خالی رکھنا۔“ اور پھر مزید فرمایا کہ ”اے جماعت! فقر اقم عارف بحق ہونے کی وجہ سے ممتاز ہو اور یہی شان تمہاری عزت کی موجب ہے تو تمہیں لازم ہے کہ اپنی خلوتوں میں ہوشیار رہو۔“

بقول حضرت جنید بغدادیؒ ”تصوف ایک

**تصوف کیا ہے :** ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یا بندہ کے لئے تو فرمایا: بمعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے لیکن اسما ”صفت بطور مجاز بندہ کے لئے ہوتی ہے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ یعنی آٹھ پیغمبران اولوالعزم کی اقتداء سے صوفی، صوفی، صوفی، صوفی، صوفی، صوفی، صوفی، صوفی۔

(۱) سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاصل کرے۔ وہ وہ بھی کہ رضائے محبوب میں اپنے تحت جگر کہ خدا کر دیا۔

(۲) رضا حضرت اسحاق علیہ السلام (شاید یہاں مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہے) کی اقتداء میں رضائے مولا پر اس درجہ راضی ہو کہ جان کی پروا نہ کرے۔

(۳) اور صبر ایوب علیہ السلام کے اقتداء میں کیڑوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو

تو بخوشی برداشت کرے اور یہ غیرتِ رحمانی پر صبر سے کام لے۔

(۴) اور اشارہ ذکر یا علیہ السلام یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”تم لوگوں سے تین دن تک نہ بول سکو گے مگر اشارے سے رمز سے۔ پھر قرآن مجید میں آیا کہ ”جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا خفیہ طور پر“ تو صوفی کو بھی اشارہ کی اقتداء کرنا ہوتی ہے۔

(۵) اور غربتِ یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ دار، عزیز و اقارب میں رہ کر سب سے بیگانہ تھے۔

(۶) اور بس صوف میں اتباعِ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ صوف رہتا تھا۔

(۷) اور سیاحتِ عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء ہو کہ آپ اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور کنگھی کے ہمراہ نہ رکھا۔ حتیٰ کہ جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی پی رہا ہے تو اپنے پیالے کو پھینک دیا اور جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بالوں میں انگلیوں سے خلال کر کے نشانہ کا کام لے رہا ہے تو کنگھی بھی ضائع کر دی۔

(۸) اور فقر میں سید الانبیاء حبیب کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کی جائے کہ تبارک و تعالیٰ نے خزانہ ہائے روئے زمین کی کنجی حضور کی خدمت میں بھیج دی اور فرمایا ”اے محبوب اپنی جان پاک پر محنت و مشقت نہ ڈالئے اور خزانوں سے جس قدر چاہیے خروج فرما کر اپنی شان و کبریاں دو بالا کیجئے۔ حضور سید الیم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ جل مجدہ میں عرض کی کہ الہی میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں



کہ ایک روز کھانوں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ اور یہ اصول معاملہ تصوف میں بہترین  
خصلت ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بابِ الطلاق میں ایک ترسا (بیوی)  
کو دیکھا بڑا خوبصورت جوان تھا۔ میں نے دعا کی الہی اس جوان حسین کو میرے کام کا بنا  
دے۔ اس لئے کہ تو نے اسے بڑا حسین بنایا ہے۔ تھوڑی مدت اس دعا کو گزری  
تھی کہ وہ ترسا میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے شیخ مجھے کلمہ تلقین فرمائیے۔ وہ مسلمان  
ہو گیا اور جماعتِ اولیاء میں سے ایک ولی بن گیا۔

اور مشہور ہے کہ زمانہ حیات سترى سقطی و حقہ علیہ

**مرتبہ مرشد :** میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید بغدادیؒ سے عرض کی

ہمیں کچھ فرمائیے تاکہ ہمارے دل سکون و راحت پائیں۔ آپ نے صاف انکار کر دیا  
اور فرمایا جب تک میرے شیخ حضرت سری سقطیؒ جلوہ آراء منظر ظاہر ہیں کوئی بات  
کہنے کا مجاز نہیں۔ یہاں تک کہ ایک رات خوابِ استراحت میں تھے کہ سرکارِ ابد قرار  
ملی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ جہاں آراء سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضورؐ  
فرما رہے ہیں جنید لوگوں کو کچھ سنایا کہ وہ اس لئے کہ تیرے بیان سے اللہ تعالیٰ ایک  
عالم کی نجات فرمائے گا۔

جب بیدار ہوئے تو دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ میں اپنے مرشد کے درجہ سے  
اتنا بلند ہو گیا ہوں کہ حضورؐ نے مجھے حکمِ دعوت فرمایا۔ جب صبح ہوئی حضرت سری  
سقطیؒ نے ایک مرید بھیجا اور حکم دیا کہ جب جنید نماز سے فارغ ہوں تو کہو کہ میرے  
مریدوں کی درخواست تم نے رد کر دی اور انہیں کچھ نہ سنایا۔ شیلونخ بغداد نے سفارش  
کی اسے بھی تم نے رد کر دیا۔ میں نے پیغام بھیجا پھر بھی آمادہ و غطاء نہ ہوئے۔ اب  
جبکہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تمہیں بلا ہے لہذا اس حکم کی

تعمیل کرو۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے یہ حکم سنتے ہی جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ حضور جو میرے دماغ میں افضلیت کا سودا سما یا ہے وہ جاتا رہا ہے اور میں نے ابھی طرح سمجھ لیا کہ سری سقطی میرا مرشد کابل میرے تمام حالات ظاہر و باطن سے مشرف ہے اور آپ کا درجہ ہر حال میں میرے درجہ سے بلند ہے۔ اور آپ یقیناً میرے اسرار پر مطلع ہیں۔ اور میں آپ کے منصب جلیل کی بلندی سے محض بے خبر ہوں اور اپنی اس غلطی سے استغفار کرتا ہوں، جو میں نے اس خواب کے بعد اپنے متعلق سوچا تھا۔

ایک واقعہ ہے

اللہ کے ولی والیان اسرار ہوتے ہیں : کہ حضرت جنیدؒ سے آپ کا ایک مرید کچھ بداعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑا کہ اب میں کس کس درجہ پر فائز ہو چکا ہوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کچھ اعراض کر لیا۔ چند روز بعد اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا حال جنیدؒ پر منکشف بھی ہوا کہ نہیں اور حضرت جنید اپنے نور فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے جب وہ مرید آیا آپ سے کچھ سوال کرنے لگا آپ نے فرمایا: کیسا جواب چاہتا ہے الفاظ و عبارات میں یا حقیقت معنی میں ؟ مرید نے عرض کی: دونوں طرح۔ آپ نے فرمایا عباراتی جواب تو یہ ہے کہ اگر میرا تجربہ کرنے کی بجائے اپنا تجربہ کر لیتا تو میرے تجربہ کا محتاج نہ ہوتا۔ اور اس جگہ تجربہ کی غرض سے نہ آتا۔ اور معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے تیرے منصب ولایت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ چہینے لگا اور پکارا کہ حضور راحت یقین میرے دل سے جاتی رہی تو یہ کرنے لگا اور پہلی بجواس سے ہاتھ اٹھایا۔ اس وقت



حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیاں اسرار ہوتے ہیں۔ مجھ میں ان کی کادری ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پہ ماری۔ وہ پھرا اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اس دن سے خاصان بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے توبہ کر لی۔

ابو عبد اللہ حضرت احمد بن حنبل بن اللہ  
**ایک حکایت ۱** فرماتے ہیں کہ ”ایک دن میں نے ایک خوبصورت

جوان کو دیکھا وہ آتش پرست تھا۔ میں اس کے جمال کو دیکھ کر متحیر ہو گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ حضرت جنید بغدادی میری طرف سے گزرے۔ میں نے عرض کی حضور کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی آگ میں جلا دے گا۔ حضرت جنید نے فرمایا: صاحب زادے یہ چند لمحات زندگی کی گرم بازاری ہے جس نے تجھے اس خیال میں پھانسا ہے تو ان چیزوں کو بہ نظر عبرت نہیں دیکھا۔ اگر بہ نظر عبرت دیکھے تو ہر ذرہ میں ایسے ہی عجائبات موجود ہیں۔ لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تو ضرور اس جہمی کوئی اور بے حرمی سے معذب ہو گا۔

جنید تو یہ فرما کر تشریف لے گئے اور مجھ پر یہ عذاب آیا کہ کیف قرآنی مجھ سے فراموش ہو گیا۔ کئی سال بحضور عزوجل توبہ کرتا رہا۔ تو کہیں جا کر وہ بلا دفع ہوئی اور اب میری ہمت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز پر التفات کروں۔ یا اپنے وقت کو بہ نظر عبرت بھی موجودات میں ضائع کروں۔“

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ”حقیقت

**حقیقت توحید ۱** توحید یہ ہے کہ بندہ مثل سبیل ہو جریان تصوف تقدیر

جن میں اس کی قدرت اس پر ایسا تصرف کرے کہ وہ اپنے اختیار ارادہ سے خالی ہو اور دریا سے توحید اسے فنا نفس خود اور انقطاع دعوت خلق کر کے ارادہ حق



پر اپنے کو بے حس کر دے۔ اس مقام پر آجانے کے بعد بندہ کا آخر مشل اول ہوتا ہے اور وہی ہوتا جو اپنی ہستی سے پہلے تھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ جب ضعیف عبادات کا تسلسل ہوئے تو جوانی کے اور اد سے ایک ورد بھی ترک نہ کیا۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور آپ ضعیف ہو گئے ہیں لہذا بعض عبادات نافذ ترک فرما دیجئے۔ فرمایا جو چیزیں ابتداء میں اللہ کے فضل سے میں نے حاصل کیں حال ہے کہ اب انتہا میں پھوڑ دوں۔

ایک شخص حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا حقیقت حج؛ آپ نے اس سے پوچھا۔ تم کہاں سے آئے ہو۔ اس نے کہا حضور حج کر کے آیا ہوں۔ جنید نے فرمایا۔ تم حج کر کے آئے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل سوالات کئے۔ جنید:- جب تو بہ نیت حج گھر سے نکلا اور اپنے وطن سے کوچ کیا تو اس وقت سب گناہوں سے بھی کو تح کیا تھا کہ نہیں؟ حاجی:- حضور یہ تو نہیں کیا۔

جنید:- تو پھر گھر سے چلا ہی نہیں۔ اچھا جب تو گھر سے چلا اور منزل پر قیام کیا تو راہِ حق یعنی طریقت کا مقام بھی طے کیا یا نہیں؟ حاجی:- حضور اس کی تو مجھے خبر ہی نہیں تھی۔

جنید:- تو پھر تو نے منزلیں بھی طے نہ کیں۔ اچھا جب تو نے احرام باندھا تو میقات میں صفاتِ بشریت سے علیحدگی کی جس طرح کپڑے اور عادات سے علیحدگی کرتے ہیں۔

حاجی:- حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

جنید: تو اس کے معنی ہیں کہ تم نے احرام بھی نہیں کیا۔ اچھا جب تو عرفات میں  
کھڑا تھا تو تجھے کشف و مشاہدہ کا فرق واضح ہوا؟  
حاجی: حضور یہ کیسی نہیں ہوا۔

جنید: تو گویا تو عرفات میں بھی نہیں ہوا۔ اچھا تو مزدلفہ پہنچا تو تم نے تم  
نفسانی مرادیں ترک کیں؟  
حاجی: حضور نہیں۔

جنید: تو گویا تو مزدلفہ بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو نے طواف بیت کیا تو بہ چشم  
سرتنزیہ کے مقام میں لطائف جمال حق دیکھے؟  
حاجی: حضور نہیں دیکھے۔

جنید: اچھا تو گویا تو نے طواف بھی نہیں کیا۔ اچھا یہ تو بتا۔ جب تو نے صفا مردہ  
کی سعی کی تو تجھے صفا کا مقام اور راہ حق پر گزرنے کا درجہ معلوم ہوا؟  
حاجی: حضور مجھے اس کی تمیز ہی نہیں تھی۔

جنید: تو اچھا تو ابھی تو نے سعی صفا و مردہ بھی نہیں کی۔ اچھا جب تو منا میں  
پہنچا تو تیری ہستی تجھ سے سا قحط ہوئی؟  
حاجی: نہیں۔

جنید: تو گویا تو منا بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو قربان گاہ میں پہنچا اور قربانی کی تو  
تو نے خواہشات نفسانیہ کو قربان کیا۔  
حاجی: حضور، ایسا نہیں کیا۔

جنید: تو گویا تو نے قربانی بھی نہیں کی۔ اچھا جب تو رمی جمار کر رہا تھا تو اس وقت  
تو نے اپنی خواہشات جو تجھ میں تھیں وہ بھی پھینکیں؟  
حاجی: نہیں۔



جنید: تو گویا تو نے بھی نہیں کی اور تو نے حج ہی نہیں کیا۔ واپس جا اور ایسا حج کر جو ہم نے سمجھ بتایا ہے، تو اس کے بعد تو مقام ابراہیم پر پہنچے گا۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں اگر خداوند  
نظارہ حق؛ فرمائے کہ مجھے دیکھ، میں کبھی نہ دیکھوں، کیونکہ دوستی کے عالم میں  
 آنکھ غیر اور بیگانہ ہوتی ہے اور غیر کی غربت مجھے دیدار سے روکتی ہے۔ اس لئے کہ دنیا  
 میں بلا واسطہ چشم دوست کو دیکھتا ہوں تو میں کسی واسطہ کا کیا کروں۔ ”بے شک میں تیری  
 طرف دیکھنے میں حسد کرتا ہوں تو آنکھ بند کر لیتا ہوں جب تیری طرف نظر کرتا ہوں۔  
 گویا آنکھوں سے دیکھنے میں دریغ اس لئے ہے کہ آنکھ بیگانہ ہوتی ہے۔“

حضرت جنید سے لوگوں نے پوچھا۔ حضرت آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں  
 فرمایا۔ نہیں چاہتا۔ عرض کیا گیا۔ کیوں۔ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تو نہ دیکھ سکے اور  
 ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ چاہا تو دیکھ لیا۔ اس لئے کہ ہماری خواہش  
 ہی دیدار حق کے لئے حجاب اعظم ہے۔ اور جب دنیا میں ارادت کامل ہو جائے تو مشاہدہ  
 حاصل ہو جاتا ہے اور جب مشاہدہ ہو جائے تو دنیا و عقبیٰ ایک ہے۔

حضرت جنید سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا  
انس کا مقام؛ کہ میں نے جنگل میں ایک درویش کو دیکھا۔ خار مغیلاں پر بیٹھا  
 تھا اور وہ جگہ سخت تکلیف دہ تھی۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ بھائی تو یہاں  
 ایسی سخت جگہ پر ایسے آرام سے کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا ایک  
 وقت تھا جو یہاں ضائع ہوا ہے۔ اب یہاں بیٹھا ہوں اور غم کھاتا ہوں میں نے  
 پوچھا یہاں تو کتنی مدت سے ہے۔ اس نے کہا بارہ سال سے۔ اب اگر شیخ مجھ  
 پر توجہ کرے تو میں کامیاب ہو جاؤں اور وقت حاصل کروں۔

حضرت جنید فرماتے ہیں میں چل دیا اور حج ادا کر کے اس کے لئے دعا کی جو



اللہ نے قبول فرمائی۔ وہ کامیاب ہو گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اسے وہیں بیٹھا دیکھا۔  
 میں نے کہا۔ اے جو اس مرد۔ اب تجھے وقت مل گیا ہے۔ اب یہاں سے کیوں  
 نہیں گیا۔ عرض کہ اے شیخ میں نے قدامت اختیار کی ہے۔ جو جائے وحشت تھی  
 اور میں نے جہاں سرمایہ کم کیا تھا۔ وہ مل گیا تو اب کیا یہ جائز ہے کہ جہاں سے سرمایہ  
 ملا اس جگہ کو چھوڑ دوں۔ یہ میرے انس کا مقام ہے۔ آپ تشریف لے جائیں کیونکہ  
 میں اپنی خاک یہاں کی خاک میں ملاؤں گا اور یہ وہ قیامت اسی خاک سے سر اٹھاؤں گا۔  
 کہ میرے انس کا سرمایہ اور سرور کا مقام یہی ہے۔

لوگوں نے جنید بغدادیؒ سے پوچھا کہ اگر ہم  
**صاحب حجرہ:** عبرت حاصل کرنے کی غرض سے کلیسا جائیں تو جائز ہے۔  
 یعنی اس ارادہ سے وہاں جائیں کہ ان کی ذلت اور کج فہمی دیکھ کر غیرت حاصل  
 کریں اور اپنی تعبت اسلام پر شکر کریں تو پھر اس میں ہمارا مواخذہ نہ ہو گا۔ شیخ نے  
 فرمایا اگر تم ایسے ہو کہ وہاں جا کر واپس آتے ہوئے ان میں سے چند آدمی اپنے  
 ساتھ لاسکو تو تمہارے جانے میں مضائقہ نہیں اور اگر تم اس قابل نہیں ہو تو ہرگز  
 نہ جاؤ۔ اس لئے کہ اگر صاحب حجرہ شراب خانہ میں جاتا ہے تو خراباتی کہلاتا ہے اور  
 خراباتی حجرہ میں آتا ہے تو صاحب حجرہ کہلاتے لگتا ہے۔

امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری کے مشہور زمانہ ”رسالہ قشیریہ“  
 میں بھی حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں کئی واقعات اور تعلیمات کا ذکر موجود  
 ہے۔ ذیل میں ”رسالہ قشیریہ“ میں منتخب واقعات اور تعلیمات پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے توحید

**توحید کی تعریف:** کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”کمال وحدتیت  
 کے ساتھ اس کی وحدانیت کو حق جان کر اللہ کو ایک فرد دیکھنا جانتا۔ وہ ایسا ایک ہے

جس نے نہ کسی کو جفا اور نہ خود کسی سے پیدا ہوا۔ اس کا نہ کوئی مد مقابل ہے نہ کوئی  
مش اور نہ کوئی ہم شبہ، بغیر اس کی کوئی تشبیہ یا کیفیت یا صورت یا مثال  
بیان کی جائے اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔“

اسی طرح وہ مزید بتاتے ہیں کہ ”توحید یہ ہے کہ تو یہ بات مان لے اور اقرار  
کر لے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے یکتا ہے، نہ کوئی اس کا ثانی ہے اور نہ کوئی چیز اس کے  
جیسے افعال کر سکتی ہے“

اس انداز میں حضرت جنید بغدادی اپنے خاص اسلوب میں تصوف کی بھی  
بڑی سادہ سی تعریف یوں فرماتے ہیں کہ ”تصوف یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ہوتے  
ہوئے تجھے کسی اور چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔“

انہوں نے توحید کے متعلق انسانی عقل کی انتہا  
**توحیدِ خاص:** کے حوالے سے فرمایا کہ ”جب عقل مندوں کی عقلیں توحید  
کے متعلق انتہا تک پہنچ جائیں تو ان کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔“

پھر وہ بندے کا اسی توحید میں درجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ”یہ عادت  
باللہ کے دل کی کیفیت ہے جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں، اور اس میں  
لا تعداد معلومات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ویسا ہی رہتا ہے جیسا ازل میں  
تھا۔“ اسی حوالے سے انہوں نے ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا کہ ”توحیدِ خاص یہ  
ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک ہم مردہ کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام قدرت  
اور اس کی تدبیروں کا تصرف اس میں جاری ہو۔ اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اپنے نفس سے  
فنا ہو چکا ہے نہ اسے یہ خبر ہو کہ مخلوق اسے بیکار رہی ہے اور نہ ان کی دعوت کو قبول  
کرنے کا خیال پیدا ہو۔ یہ فنا نفس کے لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب میں ہونے کی  
وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور واحدانیت کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور فنا



نفس یہ ہے کہ اس کے تمام حس و حرکت ختم ہو چکے ہوں اس لئے حق تعالیٰ ان تمام امور میں جو اس بندے سے چاہتا ہے، خود اس کا ضامن و کفیل ہو۔ بایں طور کہ بندے کی انتہا لوٹ کر ابتدا کی طرف آجائے اور وہ ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا۔“

پھر حضرت جنید بغدادی توحید کے متعلق فرماتے ہیں کہ بہترین قول وہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنے جاننے کی صرف ایک ہی راہ بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اس کی معرفت سے عاجز ہے۔“

حج کے موقع پر کہ ابھی حضرت جنید بغدادی

**محبت کی تشریح :** زیادہ معترف نہیں ہوئے تھے بعض مشائخ میں سے کسی نے

محبت کی بحث چھیڑ کر حضرت جنید سے کہا کہ اے عراقی! تو بھی کچھ بیان کر۔ اس پر حضرت جنید نے سر جھکایا اور رونے لگ گئے اور پھر یوں کہا۔ ”اے بندہ ہے جو اپنے آپ کو گنہگار ہے۔ اپنے رب کا لگاؤ کرنا ہے اور اس کے حقوق برابر ادا کئے جا رہا ہے اور جل کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ ذات خداوندی کے انوار نے اسے جلا دیا ہے اور اس کی محبت کے پیالوں سے اس نے صاف شراب پی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیب سے اس کے لئے پرہیز اٹھا دیئے ہیں۔ لہذا یہ شخص جب گفتگو کرے گا تو اللہ کی مدد سے گفتگو کرے گا اور اگر حرکت کرے گا تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہوگا تو اللہ کے حکم سے۔ لہذا یہ شخص اللہ کے ساتھ اللہ کے لئے اور اللہ کی معیت میں ہوگا۔ یہ سب تمام شیوخ رو پڑے اور کہا کہ اس پر کچھ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ خدا تیری حالت درست کرے۔ اے تاج العارفین۔“



**ایک واقعہ ایک کرامت:** ابو عمر الزہاجی فرماتے ہیں کہ

”میں جنید کے پاس گیا اور میرا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ آپ نے مجھے ایک درہم دیا۔ میں نے اسے اپنے تہم میں باندھ لیا۔ اس کے بعد میں جس منزل میں پہنچا وہاں مجھے رفیق مل جاتے اور مجھے ایک درہم کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ جب حج کرنے کے بعد واپس آیا تو جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ہاتھ برٹھا کر کہا: لاؤ۔ اس پر میں نے آپ کو وہ درہم دے دیا۔ آپ نے پوچھا کیا گزرا؟ میں نے عرض کیا: اللہ کا حکم ہو کر رہا۔“

**جنید بغدادیؒ کے چند خواب:** ایک اہم مقام دیا جاتا ہے اور بعض

حوالوں سے تو یہاں تک بھی کہا جاتا ہے: قرآن کے لفظ ”بشریٰ“ سے اچھے خواب ہوتے ہیں۔ گو خواب وہ خیالات ہوتے ہیں جو دل پر وارد ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ خیالات جو نیند کی حالت میں انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں کبھی تو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور کبھی انسان کے اپنے ہی دل کی باتیں ہوتی ہیں۔ کبھی فرشتہ کی طرف سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حالات کو اس کے دل میں پیدا کر کے کچھ امور کی معرفت عطا کر دیتا ہے اور اسی حوالے سے ایک حدیث مبارکہ ہے کہ ”تم میں سے سب سے سچا خواب اس شخص کا ہوگا جو تم میں سے زیادہ سچ بولتے والا ہوگا۔“

صوفیائے کرام میں حضرت جنید بغدادیؒ کے خوابوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ ذیل میں آپ کے چند خواب بیان کئے جاتے ہیں۔

**اللہ کا پسندیدہ عمل:** حضرت جنید بغدادیؒ حکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ میں لوگوں کو

دعظ کر رہا ہوں تو ایک فرشتہ آکر کھڑا ہوا اور پوچھا کہ وہ کونسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے قریب ترین ہو؟ میں نے کہا۔ وہ عمل جو پوشیدہ طور پر کیا گیا ہو۔ مگر میزان میں پورا ہو۔ جنید کہتے ہیں کہ یہ سن کر فرشتہ یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ اللہ کی قسم کہ یہ کلام توفیق یافتہ کلام ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے صدق کیا ہے؟ خواب میں دیکھا کہ گویا دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں۔ تو ایک نے مجھ سے پوچھا۔ صدق کیا ہے؟ میں نے کہا ”عہد پورا کرنا“ دوسرے نے کہا یہ سچ کہتا ہے۔ پھر دونوں اوپر چلے گئے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا اعلائے حق؟ کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں۔ حق سبحانہ نے مجھ سے پوچھا کہ ”یہ گفتگو جو تم کرتے ہو کیسے حاصل کی؟“ میں نے عرض کی۔ ”یہ اس لئے ہے کہ میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی نے ابلیس کو ایک خواب؟ خواب میں ننگا دیکھا تو پوچھا۔ کیا تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی؟ ابلیس نے جواب دیا۔ یہ لوگ، لوگ نہیں ہیں۔ لوگ درحقیقت تو وہ ہیں جو مسجد شونیزہ میں ہیں۔ انہوں نے میرا جسم لاغر کر دیا ہے۔ اور جگر جلادیا ہے۔ جنید فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو مسجد شونیزہ میں گیا اور وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ فک و غور میں اپنے سروں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فوراً کہا ”شیطان خبیث کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا“

حضرت جنید بغدادی اپنے عہد کے ایک عظیم صوفی اور عارف باللہ ہیں۔ تعلقاً و روابط علم تصوف میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کے علم و آگہی کا چرچا پورے



عالم اسلام میں تھا۔ آپ ایک بہت بڑے عامل صوفی اور اللہ کے عارف تھے۔ عالم اسلام اور عراق و ایران کے اکثر مشاہیر آپ سے متعدد معاملات میں استفسار کیا کرتے تھے۔ لوگ ان سے تبادلہ خیال اور خط و کتابت کرتے اور ان کے افکار و خیالات کی سجا طور پر قدر کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا درس اور مجلس اپنے عہد کے چیدہ چیدہ اور علم والے لوگوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اس مجلس میں لوگ ہزاروں میل کا سفر کر کے بھی جاتے تھے۔ ان کی مجلس میں توحید، تصوف اور شریعت کے اسرار و رموز پر اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ لوگ آپ کی تعلیمات اور تاویلات کی تہہ دل سے قدر کرتے اور ان سے ہر طرح رہنمائی حاصل کرتے۔ اس طرح آپ برسوں تک اپنے وعظ و نصیحت اور درس و تدریس سے اللہ کی مخلوق کی ہدایت اور خدمت کا احسن طریقہ ادا کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ اپنے عہد کے تمام اسلامی فرقوں اور طبقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ہر طبقہ خیال کے بڑے بڑے جید علماء بھی انہیں ایک جید عالم اور محقق صوفی کا درجہ دیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کوئی واضح ثبوت میسر نہیں آئے البتہ رسالہ مشرعیں ایک جگہ کسی واقعے میں آپ کی اہلیہ کی میزبانی کا معمولی سا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تعلیمات ہی یہی تھیں کہ "نقر نام ہے تمام توہمات سے دل کا خالی رکھنا۔"

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے دور کے صوفیاء اور علماء کی دل کی گرائیوں سے عزت اور قدر کرتے تھے۔ بعض صوفیاء اور علماء کے بارے میں آپ کی رائے اور خیالات اپنی جامعیت کے اعتبار سے لوگوں میں بے حد مقبول ہوئے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک پُر عمل صوفی اور اللہ کے عارف کے طور پر پوری



زندگی اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کئے رکھا۔ آپ نے نوے سال کی عمر میں ۲۹۸ ہجری کے لگ بھگ وفات پائی۔ کہا جاتا ہے آپ کے جنازے میں ساٹھ ہزار کے قریب علماء، صلحاء، عقیدت مند، عوام اور خواص شامل ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں عیسائی اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی تصوف پر کتب اور رسائل

**معالی الہم:** کی تعداد خاصی ہے۔ لیکن ان میں دستیاب رسائل جن کی تعلیمات تصوف کی دیگر کتب میں موجود ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں۔ بہر صورت بعض متعین آپ کے رسائل کی تعداد ایک درجن سے بھی زیادہ بتاتے ہیں۔ کئی ایک مختصراً اور دیگر تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ کئی رسائل اور کتب غلط فہمی کی بنا پر حضرت جنید بغدادی کے نام سے منسوب ہو گئی ہیں۔ یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ ”معالی الہم“ بھی اصل میں حضرت جنید بغدادی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ بھی ان سے منسوب ایک رسالہ ہے۔ معالی الہم کے بارے میں ماہرین کی آراء مختلف ہیں۔ بہر صورت یہ رسالہ اپنے اسلوب، انداز بیان اور تصوف کے نظریات و افکار کے حوالے حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیمات اور نظریات کے قریب ہے بلکہ ان میں حضرت جنید بغدادی کے افکار و خیالات کی واضح جھلک اور صاف گونج سنی دیتی ہے۔

”معالی الہم“ کو حضرت جنید بغدادی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ نسبت درست ہے یا غلط، لیکن تصوف کی دنیا میں حضرت جنید بغدادی اور اس کتاب معالی الہم کی جو اہمیت ہے اس سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ”معالی الہم“ میں جو دس ابواب ہیں۔ ان کا انداز و اسلوب اور افکار و نظریات کامعاً وہی ہے جو حضرت جنید بغدادی کا ہے ویسے بھی یہ تصنیف جو آپ سے منسوب

کی جاتی ہے اس کے کوئی تو نسبت حضرت جنید بغدادی سے ضرور ہوگی۔ چاہے یہ کتاب حضرت جنید بغدادی کے مختلف خطبات کا مجموعہ ہو یا وعظ و نصیحت کا سپوڑ ہو۔ یہ تو عین ممکن ہے کہ اسے حضرت جنید بغدادی کے بعد کسی نے ترتیب دیا ہو۔ اور اس ترتیب میں کچے حشو و زوائد کا اضافہ ہو گیا ہو لیکن اصل افکار حضرت جنید بغدادی ہی کے ہوں۔ بہر صورت "معالی الہم" کو حضرت جنید بغدادی ہی کی نسبت سے شہرت ملی ہے ذیل کی کتاب میں ہم نے معالی الہم کو زیادہ سادہ بسیس اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے اس طرح ہر باب میں مزید ضمنی عنوانات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے کہ تاکہ تصوف کے جملہ دیگر امور پر جدا جدا روشنی پڑ سکے اور اس کتاب میں موجود صوفیانہ افکار زیادہ نکھر کر سامنے آسکیں۔

ذیل میں حضرت جنید بغدادی کی صوفیانہ تعلیمات میں سے پیچیدہ پیچیدہ افکار پیش

ہیں :-

(۱) حضرت جنید اپنے ساجھیوں اور مریدوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا علم (تصوف و طریقت) قرآن و سنت سے مضبوط ہے جو شخص قرآن کو فقط نہیں کرتا، حدیث کتابت نہیں کرتا اور فقہ نہیں پڑھتا وہ اس لائق نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے۔

(۲) ہمارا علم یعنی علم تصوف، حدیث رسولؐ سے گہرا رشتہ رکھتا ہے۔

(۳) ہمارے ظاہری اور باطنی علوم دونوں طرح کے اعمال اور علوم قرآن اور اخبار و آثار رسولؐ سے ثابت ہیں۔

(۴) جنید سے کسی نے پوچھا "آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا تو انہوں نے اپنے گھر کی سیڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اس سیڑھی کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سامنے تیس سال بیٹھے رہنے سے۔"



۵۔ اسلامی تصوف کی بنیاد قرآن کی تعلیمات، احادیث نبویؐ، صحابہ کی پاک زندگی اور تابعین اور تبع تابعین کی پاک سیرت پر ہے۔

(۶) ایک روایت ہے کہ ایک بار حضرت جنید بغدادی نے ایک بزرگ ساتھی حضرت علی بن محمد بن حاتم کو یہ وصیت فرمائی کہ جو علم مجھ سے بھری ہو وہ میرے منسوب ہے میرے بعد وہ سب دفن کر دیا جائے، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد کوئی چیز مجھ سے منسوب کی جائے اور تمہارے لئے بس اللہ اور اس کا رسول کافی ہیں۔ اس کے علاوہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۷) لوگوں کے معاملات میں صوفیاء کو چاہیئے کہ احتیاط سے کام لیں۔ کیونکہ اہل تصوف اپنی گفتگو میں انصاف پر ایک ظاہری پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ جان لینا ضروری ہے کہ عوام الناس کو کیا بتانا ضروری ہے اور کس امر کو احتیاط سے رکھنا ہی بہتر ہے۔

(۸) طریقت کسی بھی حوالے سے رہبانیت کی طرف نہیں جاسکتی۔

(۹) صوفیوں کی صحبت میں محضوں کا کوئی کام نہیں۔ صوفیوں کی صحبت میں لوگوں کو پرورش و حواس میں بچھینا چاہیئے۔

(۱۰) انسان جب خدا کے ساتھ ہو جائے و پھر اس کا کسی دوسری ہستی کوئی تعلق نہیں رہنا چاہیئے۔

(۱۱) تصوف ایک سعی مسلسل ہے جس میں انسان ہمیشہ مشغول رہتا ہے۔

(۱۲) انسان کی تمام صفات اصل میں عکسی صفات ہیں۔

(۱۳) اہل عقل کی عقلیں توحید سے متعلق انتہا کو پہنچ جائیں تو ان کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔

(۱۴) توحید خالص یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک کے سامنے ایک جہم مردہ



کی طرح بے ارادہ ہو۔

(۱۵) توحیدی اسلامی تصوف کا محور و مرکز ہے۔

(۱۶) اغیار سے محاسبہ فرمایا جائے گا۔ مگر درویشوں سے عذر لیا جائے گا اور عذر خود

بھی مرتبہ میں محاسبہ سے نیا دہ ہے۔

(۱۷) فقر نام ہے تمام توہمات سے دل کا خالی رکھنا۔ فقیر کو چاہیے کہ اپنی خلوتوں میں ہوشیار رہے۔

(۱۸) تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یا بندہ کے لئے، تو فرمایا کہ بمعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص ذات الہی ہے لیکن رسماً صفت بطور مجاز بندہ کے لئے ہوتی ہے۔

(۱۹) ہمارے مباحین کے لئے صحبت نہیں ہے، صحبت کے لئے صحت چاہیئے۔

(۲۰) کفر کی جزا نفس کے مقصود پر ہے۔

(۲۱) ولی وہ ہوتا ہے جس کو خوف نہیں ہوتا۔

(۲۲) توبہ یہ ہے کہ تائب اپنے گناہ کو بھی بھول جائے۔

(۲۳) روزہ نصف طریقت ہے۔

(۲۴) اللہ کی راہ میں تمام خواہشوں، مانوس بیروں اور بھائی بندوں سے اس طرح کنارہ کش ہو جانا چاہیئے جس طرح ان سے تعلق تھا ہی نہیں۔

(۲۵) صوفی کا دنیا میں کسی چیز سے تعلق نہیں ہوتا سوائے ان دیکھی دنیا کے، اور جب اس کی زبان کھول دی جاتی ہے اور خدا اسے بولنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ کلام کرتا ہے ورنہ وہ خاموش ہی رہتا ہے۔

(۲۶) تصوف کو عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں لہذا اس علم کو عام لوگوں سے چھپانا ہی

بہتر ہے۔

- (۲۷) ہوش خدا کے معاملے میں انسان کی سلامتی عقل پر دلالت کرتی ہے اور مدد بخشی تمنا کی حد سے گزر جانے اور عشق کی انتہا پر پہنچ جانے کی علامت ہے۔
- (۲۸) محبت ایک ایسی حالت ہے جو انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، یہ انہی پوشیدہ حالت اور چہ از ابہام ہوتی ہے کہ اظہار و بیان میں نہیں آ سکتی اور یہ پوشیدہ حالت ایک عبادت گزار کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچاننے میں مدد کرتی ہے۔ اور اس کے اندر آرزو پیدا کرتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے۔
- (۲۹) سخاوت ہے کہ انسان اپنے اس فعل کو خود بھی سخاوت سمجھے اور نہ کبھی اپنے آپ سے اس کا تذکرہ کرے۔

(۳۰) روحانی ارتقاء ہی معرفت اور تصوف کی اساس ہے۔

(۳۱) نفس کی خواہش کے خلاف چلنے سے اس کا درد، علاج اور اس کی تکلیف آرام میں بدل جاتی ہے۔

(۳۲) اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسا وجود ہے جس سے کوئی لگائی جا سکتی ہے۔

(۳۳) تصوف ایک مسلسل عمل ہے جس میں انسان ہمیشہ رہتا ہے، اور اصل وجوہ ہر کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے لیکن ظاہری حالت میں یہ انسانی صفت بھی بن جاتی ہے۔

(۳۴) توحید عقلی ادراک سے ماورائے ہے۔ اس سے راہ کے نشان مٹ جاتے ہیں۔ علامات مدہم ہو جاتی ہیں اور ذات خداوندی جیسی حقیقی ویسی ہی رہتی ہے اور فہم کا ادراک توحید پر جا کے ختم ہوتا ہے۔ گویا یہ ایک حالت ثبات و قرار پر ختم ہوتا ہے۔ توحید جس میں اتنا مکمل اور ہمہ گیر علم شامل ہے کہ اس کی تعریف اور وضاحت ناممکن ہے۔

(۳۵) توحید کا اقرار یہ ہے کہ خدا کے حکم کو ظاہر و باطن میں بیک وقت نافذ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسری ہستیوں سے امید و خوف کے جذبات کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہو انسان کے اس تصور کا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہر انسان اس کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے پکارتا ہے اور وہ اس کا جواب دیتا ہے۔

(۳۶) توحیدِ خالص یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ماتحت ہو کر اپنے ارادے اور خواہش سے دستبردار ہو جائے۔

(۳۷) تمام اسرار و خزانوں اور اقوال و افعال کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ اپنے عبادت گزار کو جو وجود بخشتا ہے تو وہ اپنی مشیت کو ان پر جس طرح چاہتا ہے طاری کرتا ہے۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے ہمیشہ صحیح کام اور ہمیشہ حق کی مدافعت ہی کرتا ہے۔

(۴۰) فنا، صفت کا مطلب اپنی بصیرت اور عقل و ہوش سے مکمل طور پر دستبرداری ہے۔ اس طرح بندہ اپنے خدا کی تلاش میں پُر اہم کیفیات کو نعمت سمجھ کر قبول کرتا ہے اور اس میں اسے بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

معالی الہم کے حوالے سے

معالی الہم میں سے ارشادات : حضرت قتیبہ بغدادی کا اپنا ارشاد ہے کہ اس کتاب میں غور کرو، اس لئے کہ اس کتاب کو نہایت غور و فکر سے لکھا گیا ہے اور بلند ہمت مردان یا خدا کے لئے اس کو تصنیف کیا گیا ہے اور یہ کتاب کہنے کا ارادہ عوام کی یقینی کمزوریوں اور بہتوں کی پستیوں اور گمان کی برائیوں کو دیکھتے ہوئے



کیا ہے۔ تاکہ اس کتاب کے مطالعے سے "مغنی ہمتیں بلند ہو جائیں۔ اور یقین میں کمال پیدا ہو جائے اور دینی ہونی عشق کی چنگاریاں دوبارہ روشن ہو کر عشق کی آگ لگا دیں۔ اور جاہلوں کو جہالت کی حیرانیوں سے نکال لیں اور اس کتاب میں ان ہمتوں کا بیان کیا جا رہا ہے اور خواب غفلت میں ہونے والوں کو بیدار کرنے کے لئے کتاب لکھی گئی ہے۔ ذیل میں اس کتاب معالیٰ الہم ہی میں سے کچھ ارشادات پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ واردات قلبی کو جاننے والا کردہ نہایت مختصر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی مختلف استعدادوں اور ہمتوں کی بنا پر اپنی بقا سے مشرف فرماتا ہے۔

۳۔ کسی کو اس کے مقدر سے زیادہ رزق حاصل نہیں ہو سکتا۔ نہ کسب کرنے سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ اور نہ تدبیروں ہی سے اس میں زیادتی کی جا سکتی ہے۔ انتہائی لالچ کرنے سے رزق میں کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ تے رزق کو بھی روتر اول ہی سے تقسیم فرما دیا ہے۔

۴۔ اگر آپ کا ارادہ ذاتِ باری تعالیٰ سے محبت کرنے کا ہے تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ سے نظر کو کسی دوسری طرف ہرگز نہ پھیریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بجلالتِ شان خود اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی محبت کے بعد کسی دوسرے طرف نگاہ نہ لے جائے۔

۵۔ اپنے مولیٰ کو یاد کیا کرو اور اس کی خدمت اختیار کرو اور دنیا کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ دنیا کا طلب کرنا باعثِ شرمندگی ہے اور آخرت خود تمہاری تابع فرمان ہے۔

۶۔ عارفِ کامل اپنی حالت میں دونوں جہاں سے نابیٹا ہوتا ہے۔

۷۔ معرفتِ جنت کا نام نہیں بلکہ معرفتِ اللہ کے ولی بن جانے کا نام ہے۔

- ۸۔ جو اللہ کے سوا کسی چیز پر خوش ہوتا ہے وہ دنیا کا طالب ہوتا ہے۔
- ۹۔ محبت اللہ کا حق ہے۔ محبت اللہ کے لئے ہے لہذا محبت تو اللہ کے لئے ہے تو اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔
- ۱۰۔ عارف کا کم درجہ یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے ایک بار اللہ کہہ کر ہر طرف سے بے خبر ہو جائے۔ اللہ کے سوا اسے کچھ یاد نہ رہے۔
- ۱۱۔ اگر عارفوں کی ہمتوں پر کائنات کو تباہ کر دیں تو ان کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں آسکتا۔
- ۱۲۔ جو اللہ کے سوا کسی چیز پر خوش ہوتا ہے وہ اللہ کا نہیں دنیا کا طالب ہے۔
- ۱۳۔ عشق ایک مرض ہے۔ عشق کا نہ کوئی علاج ہے اور نہ اس کی کوئی دوا ہے اور نہ غم عشق کی کوئی حد ہے۔
- ۱۴۔ اللہ کے دیدار کے سوا اس کے بندے کے لئے کوئی بڑی راحت نہیں ہے۔
- ۱۵۔ معرفت کی کوشش میں عارف کے لئے ایک بے مثال لذت موجود ہے۔
- ۱۶۔ اللہ کے بندوں کا غور و فکر اللہ کی ذات کی عظمت میں ہے۔
- ۱۷۔ چہیتہ معرفت سے حاصل ہونے والا کاسہ ایک ایسا کاسہ ہوتا ہے کہ اس میں احسان کی خوشبو داخل ہوتی ہے اور غیر عبادت کو ہمت کے پانی میں پکایا ہوتا ہے۔ اس بیالیہ شراب کا نشہ ملا می اور ابد تک کافی ہوتا ہے۔
- ۱۸۔ عارف اپنے خدا سے اپنی کسی حاجت کی طلب کرنا باعث شرم و ندامت سمجھتے ہیں۔ انہیں مالک سے کچھ مانگنے پر حیا روکتی ہے۔
- ۱۹۔ صیانتِ عزت معرفت تو یہ ہے کہ بندہ کسی کے سامنے سائل بن کر کوئی چیز نہ مانگے اور اسی طرح کسی شخص سے کوئی چیز حاجت روائی کے لئے قبول نہ کرے۔



نہ کرے۔

۲۰۔ عرض کا طریقہ معرفت یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ سے اس کی معرفت کے سوا کچھ طلب نہ کرے۔

۲۱۔ عارف اپنے جسم و جان اور نفس کی خوشی کی خاطر نہ کچھ کرتا ہے اور نہ طلب کی وادی میں جاتا ہے۔

۲۲۔ ہر سائل کو چاہیے کہ وہ اپنی عزت نفس کو نہ چھوڑے۔ اگر سائل عزت نفس کو نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی سخاوت اور کرم و احسان کی صفت کو بھی چھوڑتے۔

۲۳۔ ”حیا“ خوف کی حالت کا دوسرا نام ہے۔

۲۴۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی شخص اپنی ظاہری جسمانی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ صوفی اور عارف اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھوں اور یقین کی بصیرتوں سے دیکھتا ہے۔

۲۵۔ عارف کی شان میں صرف اس قدر کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ حضرات تحقیق کے دائرہ کے امام ہوتے ہیں اور برگزیدہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی حیثیت میں قطری کمالات کی بنا پر حکمت کو پانے والے ہوتے ہیں۔

۲۶۔ مومن کی شان تمام آسمانوں اور زمینوں سے افضل ہے۔ بلکہ عرش و کرسی سے بھی اور باقی تمام مخلوق سے مومن کی شان افضل ہے۔

۲۷۔ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

۲۸۔ معرفت والے اپنے بڑے سے بڑے عمل کو بھی معرفت کی نظر میں حقیر و قلیل سمجھتے ہیں۔

۲۹۔ جس طرح ہر چیز کی ایک روح ہوتی ہے اسی طرح معرفت کے لئے بھی ایک روح ہے۔ معرفت کی روح اللہ کو یاد رکھنا اور غیر اللہ کو مہول جانا ہے۔



۳۰۔ محبوب کی مصیبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ہمیشہ ثابت نہیں رہتی۔

۳۱۔ بندہ دنیا کو اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔

۳۲۔ خود پسندی انسان کو مغرور اور محبت سے دور اور مصیبت و غم کے قریب کر دیتی ہے۔

۳۳۔ ہر شخص کا عمل اس کی باطنی مشکل کے مطابق ہوتا ہے۔

۳۴۔ اللہ کے نزدیک بندے کی قدر و منزلت اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔

۳۵۔ ہر شخص اپنی استعداد و ہمت کے مطابق اپنے حصول کے لئے مقصد و مدعا کا تعین کرتا ہے۔

۳۶۔ اللہ تعالیٰ دنیا طلب کرنے والے کو دنیا دیتا ہے اور عقبیٰ طلب کرنے والوں کو عقبیٰ۔

۳۷۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں ہے۔

۳۸۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی معوض رکھا ہوا ہے۔

۳۹۔ معرفت باری تعالیٰ کے بعد ثواب کی طلب، ہمت کی کمزوری اور معرفت میں کمی کی دلیل ہے۔

۴۰۔ ”تمام کائنات میں اور تمام عالم آخرت میں اللہ کے پسندیدہ عارف کی ہمت سے بڑھ کر اعلیٰ اور عظمت والی کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ عارف مرد ربّانی ہوتا ہے۔“

محمد علی چراغ

لاہور

۹ مئی ۱۹۹۰ء

## حصہ دوم

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں اور توصیفوں کے لائق ہیں کہ انہوں نے اپنے دوستوں اور اولیاء کو اعلیٰ ظرف اور بلند ہمتیں بخشیں۔ انہی ہمتوں کی بلندی کے باعث وہ اسعیاء اور اولیاء خالق کائنات تک پہنچنے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی نے ان برگزیدہ بندوں کو اپنے قرب و وصال کی لگن دے کر انہیں بلند و بالا حوصلے عطا کئے اور ان کی فکر کو رفعت بخشی اور یہ عنایت بھی فرمائی کہ اپنے ایسے بندوں کو اپنے جمال کی تجلیات سے معمور کر کے انہیں سرفراز فرمادیا۔

ہر طرح کی حمد و ثناء اللہ ہی کے لئے ہے کیونکہ وہی ہمارا رب اور پالنے والا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دُر کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا کسی کے بس میں ہے ہی نہیں، کیونکہ اللہ کے سوا نہ تو کوئی سہارا دے سکتا ہے اور نہ اس انسانِ ناتواں کا ذمہ ہی لے سکتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی سیدھی راہ اور رہنمائی نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ لائشریک ہے۔

وہ اس قدر مالک و قادر ہے کہ اپنے چاہنے والوں کو اپنے کرم سے دوئی اور شرک سے محفوظ رکھ لیتا ہے۔

اللہ جل شانہ، خاموش رہنے والوں کے صدور میں مخفی ارادوں اور متناؤں سے بھی بخوبی واقف۔ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور میں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے اندر موجود محبتوں اور جذبات سے بھی بخوبی باخبر ہیں۔ اپنے ایسے طالبانِ رہ حق کی قلبی واردات اور تمام ترکیفیات سے اللہ بے خبر نہیں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور چنیدہ بندوں کو عالی بہتوں سے سرفراز فرماتے ہیں اور پھر یہی عالی ہمتیں اور بلند نگہی وصال ذات باری کا وسیلہ بنتی ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی لیکن ادراکتا ہیں۔ رسول خدا محبوب حق اللہ کے خاص اور مقرب بندے ہیں، اور اللہ کے رسول مقبول ہیں۔ آپ کا رتبہ اور منصب تمام مخلوق میں سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوری کائنات میں سب سے اعلیٰ اور اہل صفت و صفات میں عالی، اخلاق و کمالات میں سب پر فائق اور سب کے لئے مثال و منبع ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی بلندیاں اور پستیوں انہی کے نور سے معرض وجود میں آئی ہیں۔ ان کا نور ہر جگہ پر موجود ہے۔

حضور پُر نور کے درودِ مبارک کے صدقے اس زمین پر حتیٰ ظاہر و باطن ہوا اور پھر آپ کی رسالت و نبوت کے اظہار سے باطل پاش پاش ہو گیا۔ گویا حق آیا اور باطل مٹ گیا، کیونکہ باطل کو ٹٹنا ہی ہوتا ہے۔ آپ کے نور اقدس سے پوری دنیا منور ہو گئی۔ باطل کی جگہ پر حق بر اجماع ہو گیا اور ہر طرح اسی کا نور ظہور دکھائی دینے لگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی احسانات و معیات پر لاکھوں تحسین و تبریک۔ لاتعداد درود و سلام۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی آل اور متعلقین پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔



## دعوتِ غور و فکر

میرے بھائیو اور میرے مکرم دوستو! اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت اور بے پروائی کی نیند سے بیدار فرمائے۔ بھلا روحانی غفلت اور نفسانی خواہشات کے سایوں میں دیے ہوئے لوگ کب تک سو سکتے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمیں ان لوگوں میں بھی شامل نہ فرما جو ظاہری طور پر بیدار ہونے کے باوجود خوابیدہ ہیں۔ ہمیں وہ درجہ رحمت دکھا دے جو تو نے صدیقین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ اور جس درجہ پر سے صدیقین نے سب کچھ حاصل کیا ہے۔ اے باری تعالیٰ جو راہ حق کے شیدائی ہیں انہیں ان کی منزل سے ہٹنا کر دے کیونکہ ہر شخص اور اس کی منزل تیری ہی دسترس اور اختیار میں ہے۔ تیری پناہ اور احاطے سے باہر رہنا کسی کئے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ اس سے خارج ہونے والے کسی پناہ کو ڈھونڈ ہی نہیں سکتے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہیں وہ ہدایت پانے والے ہیں۔ مگر ان میں سچے اور صدیقین وہی ہیں جو اہل ہمت لوگ ہیں۔ ایسے بلند ہمت لوگ صرف اصفیاء ہی میں سے ابھرتے ہیں اور بلند ہمتوں کے ساتھ رفعت حاصل کرتے ہیں۔

لیکن میں نے اپنے علم اور بصیرت و  
جلوہ حق کے تقاضے؛ ادراک کے مطابق اگر وہ اولیاء میں بھی بہت  
کم لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ سمجھتوں کی بلندی پر ہوں۔ اکثریت علم طریقت و معرفت  
سے بے گانہ اور بے خبر ہی ہیں۔ وہ کورے اور کچے ہیں۔ انہیں بلندیوں کا احساس  
ادراک ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان میں سے پھر چند اس وضع میں بھی ہیں کہ انہیں تو  
اپنے نفس کی بھی خبر نہیں ہے، ایسے میں بھلا وہ کسی بلندی، کسی رفعت اور عالی  
مرتب کو کیا پہچان سکیں گے اور ان کے برعکس جو عالی ہمت رکھتے ہیں، ان میں کسی بلندی  
یا رفعت کو سمجھنے کا حوصلہ اور ظرف ہے وہ ان بلندوں کے جلووں اور تقاضوں کو  
خوب پہچانتے ہیں۔

جن لوگوں کو ان رفعتوں اور بلندیوں  
اللہ کی محبت اور قرب؛ کا ادراک نہیں ہے وہ تو اللہ جلّ شانہ کی رحمت  
اور وسعتوں کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے  
بندوں پر کس قدر رحیم اور کریم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسانات اور عنایات کی  
وسعت کس قدر زیادہ ہے اور اللہ اپنے بندوں سے کس قدر بے پناہ محبت کرتا ہے  
یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے عالی ہمت لوگوں کو اپنے قرب و معرفت  
کے لئے منتخب فرمایا اور اپنے خاص کرم سے ان پر رحمت و برکت کی فراوانی  
فرمائی۔ اور یہی نہیں بلکہ انہیں اپنے دوست بنا کر انہیں دنیا کے تمام خدشات اور  
ہر طرح کے خوف سے آزاد کر دیا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور  
حبیب اکبر جلّ جلالہ؛ نوازشوں سے متصف ہوتے ہیں ان پر اللہ  
تعالیٰ عظیم احسانات فرماتے ہیں۔ ان کے دل محبتوں اور بے تیزیوں سے معمور

ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت و شفقت انہیں مدام اپنے احاطہ میں رکھتی ہے۔ اور پھر ان مجاہدانِ حق کے لئے خود خالقِ کائنات "حبیبِ اکبر" کا درجہ اختیار فرما لیتا ہے تاکہ اس کے بندوں کی حُب اور طلب بھی فراوان اور وافر رہے۔ اور چاہئے والوں میں دیدار و درس کی لگن برقرار اور بیدار رہے۔ لیکن بعض جو حبیبِ اکبر کو تلاش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے زعم کی دیمک سے کمزور ہو گئے اور ظلمات و گمراہی میں پھنس کر رہ گئے۔ ان پر ان کی خواہشات نے غلبہ پا کر انہیں جکڑ لیا۔ وہ "اسیرِ کمند ہوا" ہو گئے۔ انہیں ان کے نفس نے رحمتِ خداوندی سے محروم کر دیا۔ لیکن اگر وہ اپنے خالقِ حقیقی کی جانب خلوصِ دل سے رجوع کرتے۔ خواہشاتِ نفسانی اور نفسِ پروریوں سے اجتناب برتتے تو اللہ تعالیٰ انہیں، ایک خاص روحانی قوت عطا فرماتا ہے اور پھر اس قوت کے باعث اللہ کو پہچانتا ہے۔ اس میں ذاتِ حق کے بارے میں حرارتِ عشقِ زائل ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کا ہر جذبہ سرد پڑ جاتا ہے اس طرح وہ اللہ جل شانہ کی جانب رُخ ہی نہیں کر سکتے ان میں رجوعِ حق کی تاب ہی نہیں ہوتی۔ لیکن اب یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے تو لوگوں کو دعوتِ دی جائے۔ حق کی جانب بلایا جائے اور حیبِ وہ اس دعوتِ اور حق کو صدقِ دل سے تسلیم کر لیں تو پھر وہ بلند یوں کی جانب جانے کے لائق ہو سکیں گے لیکن صورت یہ نہیں رہی کیونکہ اکثریت نے اپنی قوتِ حق رائل کر رکھی ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ محب

**مقصدِ کتاب ہذا:** میں نے عوام کی بے یقینیوں، ناتوانیوں اور ادراک کی پستیوں اور کم مائیگیوں کو محسوس کیا اور دیکھا تو ان کی اصلاح و تربیت کے لئے اور آگاہی کی خاطر یہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہو کہ یہ لوگوں کے لئے نافع ہو۔ رہنمائی کرنے والی کتاب ہو۔ اس کے مطالعے اور غور و فکر کے بعد مخفی روحانی ہمتوں کو



بلندی اور رفعت ملے۔ لوگوں میں حق کے بارے میں یقین بچتے ہو۔ حق زیادہ سے زیادہ  
اجاگر ہو۔ پڑھنے والوں کے یقین میں درجہ کمال پیدا ہو۔ وہ روحانی عشق کی چنگاریاں  
جو خوابیدہ ہیں۔ ان میں حریت اور تپش پیدا ہو اور وہ حق کی جانب بڑھنے میں  
تردد نہ کریں۔

میری یہ کوشش، یہ نوشت کم علم لوگوں، کچھ فہم اور جاہلوں کو ان کی جہالت کی  
جہانوں سے کھینچ کر باہر آنے والی ہے۔ یہ سونے والوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کرے  
والی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میرا مقصد بیداری پیدا کرنا ہی ہے۔

اس طرح کی کتاب کا لکھا جانا عین

**دعوتِ غور و فکر**، عنایتِ خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی تائیدِ غیبی کا

کہ شمر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس ضمن میں اپنے ایک بندے  
کو توفیق عطا فرمائی۔ اس کتاب میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم  
اور احسانِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانِ خاص سے اس کتاب میں علم و  
معرفت کو احاطہ تحریر میں لانے کی توفیق بخشی ہے۔ اور اس کتاب کا ایک خاص  
مقصد یہ بھی ہے کہ نو وارد اور مریدوں کو علمِ معرفت کی ابتداء سے متعارف  
کر دیا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے والوں کو غور و فکر کا موقع  
ملے اور اللہ سے محبت کرنے والوں کو آدابِ محبت اور دربارِ الہی میں حاضری  
کے قرینے متعارف کرانے جائیں۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں اور غور و فکر کرنے والوں  
پر اپنی عنایات اور مہربانیاں نازل فرمائے جو لوگ کتابوں کی عزت و حرمت کرتے ہیں  
وہ علم کی قدر و منزلت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں بیان کی ہوئی باتیں، امور  
معرفت اور دیگر مضامین ہماروں کی ہمتیں بلند کرنے کا موجب ہو سکیں گے۔ اُن

کی استعداد و ادراک میں اضافہ ہو سکے گا۔ اور جو غافل اور فروگزاشتوں میں گھرا ہوا ہوگا۔ وہ بھی اپنی ہمت کی بندی سے آگاہ ہو سکے گا۔

عارف وہ ہوتا ہے جو صاحب معرفت ہے

**عارف اور معرفت :** اور معرفت اصل میں خالق باری کی ایک امانت ہے۔

اس لئے عارف پر لازم ہے کہ وہ اس شخص پر جو کورا، کچا، بے علم اور غافل ہے، اس سے اپنی واردات قلبی اور قلب و نظر کے سلسلوں کو آشکار نہ کرے۔ کیونکہ ایسا شخص ان حقیقتوں کو سننے یا سمجھنے کا مستعمل نہیں ہو سکتا۔

اور یہ جان لو کہ : کچھ جاننے والوں کی تعداد

**قحط الرجال :** بہت قلیل ہے۔ بہت تقوڑے لوگ واردات قلبی سے واقفیت

رکھتے ہیں۔ اس لئے راہ حق میں معرفت پر گامزن لوگوں کا قحط ہے۔ یہی صوفیانہ قحط الرجال

ہے۔ اس قلت اور کمی کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ سعی کرنے والوں کی تعداد بہت تقوڑی ہے،

اس لئے زیادہ افراد اہل معرفت اور معرفت کی بندیوں پر متمکن حضرات کے مراتب اور

ان کی رفعتوں سے واقف ہی نہیں ہیں۔

جو لوگ معرفت کی بندیوں اور اہل معرفت سے ناواقف ہیں اور لامحالہ اللہ والوں

کی عزت اور حرمت اور حکیم و تقدیس اور باہ گاہ ایزدی میں ایسے لوگوں کی رسائی

اور شرف قبولیت سے بھی سراسر بیگانہ ہوتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ اہل ہمت

اور مراتب اعلیٰ پر فائز لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ارشادات اور علامات کو عوام

اناس اور جاہل و غافل لوگوں سے پوشیدہ ہی رکھیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے اپنی

**توفیق ایزدی :** جانب متوجہ ہونے کی توفیق خود عطا فرماتے ہیں۔ وہی بندے

کے دل میں چاہت پیدا کرتے ہیں۔ میں بھی اللہ تعالیٰ ہی سے قوت و ہمت کا خواستگار

ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو اعمال حسنہ چاہتے ہیں وہی کرے نہ کسی توفیق عطا فرماتے  
ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ہمیں حق پر کار بند و قائم رکھے۔ وہی اللہ ہر طرح کی  
قوت و احسان اور رفعت و معرفت کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر  
قادر ہے، غالب ہے، غفار اور رحیم ہے۔





## عالی ہمت۔ بلند ہمتوں والے

ابوالفتح رحم حضرت جنید بخت رادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "اے اللہ کی محبت دل میں رکھنے والو۔ اس حقیقت کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے لئے ہمت اور ہمت کے لئے پم پیدا کئے ہیں۔ ان پروں کی بدولت انسان پرواز کر سکتا ہے اور پرواز کر کے اپنی متعینہ منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ انسان اپنی ہمتوں کے مطابق اور استطاعت کے اندر اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ دل کی مثال اڑ کر اپنی متعینہ منزل تک پہنچ جانے والے پرندوں کی سی ہے۔"

ہر پرندے میں اپنے پروں کی بدولت قوت پرواز ہوتی ہے اور

ہر پرندے نے اپنے تئیں اپنے سفر یا ارٹان کی کوئی نہ کوئی منزل ضرور متعین کر رکھی ہوتی ہے۔ یہی منزل اس پرندے کا مقصود ہوتی ہے۔ لیکن ہر پرندہ اپنی ہمت اور قوت پرواز کے بل بوتے پر اڑتا ہے۔ اس کے بازو اور پر جس قدر مضبوط اور توانا ہوں گے اس کی پرواز اسی اعتبار سے راست اور یقینی ہوگی۔ اس قوت پرواز اور پروں کی مضبوطی ہی کے باعث وہ اپنی منزل تک پہنچنے کا تصور کر سکے گا۔ اس

طرح اس کی منزل مقصود بھی یقینی ہو جائے گی۔

ارادہ پرواز، قوت بازو اور ہر دوں کی ہمت اسی وقت معتبر ہوگی۔ اگر پرندے کو اس کی منزل مل جائے گی۔ اسی لئے پرندے کو اسی وقت حقیقی خوشی میسر آتی ہے کہ جب وہ اپنی منزل مقصود پر بخیر و خوبی پہنچ جاتا ہے۔ پرندے کو جب اپنی متعینہ منزل مل جاتی ہے تو اس کی پرواز خود بخود موقوف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہوتا ہے۔ اس منزل سے آگے جانے سے کوئی سروکار اسے نہیں ہوتا۔ وہی مقام اس کا مدعا اور اس کی منزل بن جاتا ہے۔

پرندوں کی پرواز اور منزل کی طرف تمام

**عزم صمیم :** انسانوں کی بھی پرواز، قوت بازو و ہر دوں کی مضبوطی اور بالآخر منزل مقصود ہوتی ہے۔ انسان بھی پرندوں ہی کی طرح اپنی پوری قوت اور استطاعت اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے لگا دیتے ہیں۔ انسان بھی پرندوں کی مثال کی طرح پرواز یقین اور قوت کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ ان کا عزم صمیم اور بے روک جرات و حوصلہ انسانوں کو بند پروازی سکھاتا ہے اور پھر انہیں ان کی متعینہ منزل تک بھی پہنچاتا ہے۔ جب ایسے باہمت لوگوں کو بقدر ہمت منزل مل جاتی ہے، تو انہیں بھی لازوال خوشی نصیب ہوتی ہے۔ پرندوں ہی کی طرح انسان بھی اپنی منزل متعینہ پا لینے کے لئے اور کہیں نہیں جاتے۔ وہ اسی پر قناعت کر کے اپنا سفر اور حرکت ترک کر دیتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ"

**عمل اور ارادہ :** عَلٰی شَاكَلَتِهٖ "یعنی اے محمد کہہ دیجئے کہ ہر

ایک کا عمل اس کی استطاعت و استعداد کے مطابق تشکل ہوتا ہے۔" اپنے اعمال کو تشکل کرنے میں انسان کے ارادوں اور ہمتوں کو دخل ہے۔ اور یہ ہمتیں اپنی سعی کے مطابق ہیں۔ باطنی لگن ان اعمال کو قہم بناتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے



کہ ہر شخص اپنا ہر عمل اپنی باطنی شکل و صورت کے مطابق ہی کرتا ہے اور یہ باطنی ارادے اور شکل و صورت اٹل ہوتی ہے۔ ہر انسان کی قدر و منزلت اس کے خالق کے نزدیک بھی اسی باطنی ہمت اور ارادے ہی کے حوالے سے متعین ہوتی ہے۔ یہ بھی امر حقیقت ہے کہ ہر انسان کے ارادے مختلف ہیں اور اسی طرح ہمتیں بھی مختلف ہیں۔ ان ہمتوں کی بلندیوں میں بھی واضح فرق ہوتا ہے۔

**رُخ کا تعین:** اور ارادوں کا رُخ کس جانب ہے۔ اگر تو کسی شخص کی ہمتیں اور ارادے دنیاوی اور مادی لائشوں سے بھرے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وہ شخص وہی کچھ حاصل کرے گا جس کا طالب ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا مانگنے والے کو دنیا دے دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے شخص کی ہمتیں لا حاصل اور بے وقعت ہی ہوتی ہیں۔ جو شخص طلب دنیا کو اپنا مطمح نظر بناتا ہے وہ آخرت میں اپنا حصہ کھو دیتا ہے اور لامحالہ اس کی ساری ہمتیں اور پروا تیریں اور بلندیاں اکارت اور بے کار سمجھی جاتی ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص اپنی ہمتوں، بلند پروازیوں اور عالی ارادوں کو حصول آخرت کے لئے لگا دیتا ہے اللہ کا قانون اسے قبولیت سے نوازتا ہے۔ ایسا عامل اصل میں اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنا سفر اپنے خالق کی جانب ہی کرتا ہے ایسا عامل اپنی کوششوں اور ارادوں کی پختگی اور ہمتوں کی بلندی کی قدر و قیمت کو جانچ کر اس کی قیمت نہیں لگانا چاہتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے عامل لوگوں کے لئے جنت مخصوص کر رکھی ہے۔ اس طرح کے لوگ اپنی ہمتوں کی خود قیمت نہیں لگاتے اور انکساری میں وہ اپنی ہمتوں کو کسی طرح کی قیمت کے قایل ہیں نہیں سمجھتے لیکن ایسے بلند ہمت لوگوں کا معاملہ ان کے پروردگار کے نزدیک بڑا مقبول اور



احسن سمجھا جاتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ہی بے حساب جزا و ثمر بخشتے ہیں۔

اپنی انفرادی بہتوں اور ارادوں کے حوالے  
انسانوں کی قسمیں : سے انسانوں کے تین بڑے بڑے اور معروف گروہ ہوتے

ہیں یعنی طالبانِ دنیا، طالبانِ عقبیٰ اور پھر طالبانِ مولیٰ۔ ان تینوں گروہوں کے افراد و اشخاص کی اپنی لگن اور پیاس ہوتی ہے۔ ان تینوں طبقوں کے لوگ اپنے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور حصولِ مدعا کے لئے التجائیں کرتے ہیں۔ دنیا کے طالبِ دنیا ہی کو دولتِ کلِ جان کر اس کی آرزو کرتے ہیں۔ عقبیٰ والے آخرت کی عبادت کی دعا مانگتے ہیں اور پھر مولیٰ کریم کی طلب رکھنے والے اپنی نواد لگن میں اللہ ہی کو مانگتے ہیں۔ ہر طلب کرنے والا خدا سے اپنی طلب کے مطابق مانگتا ہے اور اپنی اپنی خواہش ہی کو اولیت دے کر اپنے مطلب کے لئے مانگتا ہے۔ صورت یہ ہے کہ جسے صرف دنیا کے دُوں ہی پسند ہے اور جو اسی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ اسی کے لئے تڑپتا اور مضطرب رہتا ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں کہ اسے چاہئے والے اس کا منتظر ہے۔ دنیا والا اپنی دھن میں دنیا طلب کئے جاتا ہے۔ یہ دنیا مانگنے والے بھی اللہ ہی دنیا سے مانگتے ہیں۔

طالبِ دنیا : دنیا کی طلب کے بعد ایسے لوگ ضمناً یا محض عادتاً بعض دوسری چیزیں

بھی مانگتے ہیں۔ ایسے طلب گار اور دنیا پرست لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے علمِ کامل کے حوالے سے ان کی طلب کے مطابق اپنے قانون کے تحت جو پسند کرتا ہے عنایت فرما دیتا ہے۔ اس طرح جو شخص اپنے اللہ تعالیٰ طلبِ عقبیٰ کرتا ہے، جنت کا خواستگار ہوتا ہے۔ جنت کی بہاروں اور جنت میں موجود دیگر نعمتوں کا مستحق ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنے معبود کو اصل میں چھوڑ کر صرف عقبیٰ کی نعمتوں ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ پھر ان کے حصول کی خاطر وہ اللہ سے دعائیں بھی کرتا ہے۔ ان

دعاؤں کے ساتھ ساتھ ضمناً اور عادتاً بعض دوسری دعائیں بھی شامل کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی اپنے علم کامل کے حوالے سے ان کی طلب کے مطابق اپنے قانون کے تحت جو اور جس قدر پسند فرماتا ہے انہیں دے دیتا ہے۔

**اہل عشق :** تیسرے اور پسندیدہ گروہ کے لوگ اہل عشق ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں محبت الہی اور جذبات دیدارِ موحسن ہوتا ہے۔ دنیا یا عقبی کی کوئی نعمت ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ ان دونوں مقامات کہ جن میں اکثر ہجوم آبادی مبتلا ہوتی ہے اس سے بلند و بالا ہوتے ہیں۔ وہ دل میں کسی دوسرے کے لئے کسی بھی طرح کی کمزورت یا کثافت نہیں رکھتے۔ انہیں ہمیشہ اپنے محبوب ہی کی لگن لگی رہتی ہے۔ انہیں تو کسی بھی دوسری غرض و آرزو کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ ان کی دعائیں بھی اپنے محبوب کے حصول ہی کے لئے مخصوص اور مختص ہوتی نہیں۔ ان کی دعاؤں میں سراسر غائبی، انکساری، آہ و زاری وارتنگی اور بے قراری ہی ہوتی ہے۔ وہ اپنی دعاؤں کو دوسری الٰہیوں سے پرانگندہ نہیں ہونے دیتے۔ اور اس طرح اپنے اور اپنے خالق و مالک کے سوا دعائیں کسی کو واسطے کے طور پر بھی حائل نہیں ہونے دیتے۔ وہ صحیح معنوں میں دنیا کی احتیاجات سے بہت بلند ہو چکے ہوتے ہیں۔ دنیاوی احتیاجات ان کے راستے میں کسی بھی سطح پر رکاوٹ کا باعث نہیں بن سکتیں۔ ان کی لگن سچی اور ہمت عالی ہوتی ہے، ان کا عزم و حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے۔

ایسے بلند ہمت لوگوں کی منزل مقصود

**غایت بقدرِ ظرف :** تاک پہنچنے کے سفر میں دنیاوی ہوس یا لگن کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ مصائب و آلام ان کے پاٹے ثبات میں ذرا برابر



بھی لغزش نہیں لاسکتے۔ ان کے عزم و حوصلہ اور بلند ہمتی کے سامنے مصائب کا تو کوئی وجود ہی نہیں بنتا۔ مصائب، مصائب نہیں رہتے بلکہ وہ مصائب ان کی لگن کو کئی چند کر دیتے ہیں۔ منزل مقصود تک پہنچنے کے سفر کے تمام معاملات کو وہ عالی ہمت لوگ اپنے پروردگار پر چھوڑ دیتے ہیں، اور وہ ان مصائب کو بھی امر الہی سمجھتے ہیں، اسی لئے وہ مصائب کو مصائب نہیں سمجھتے۔ ایسے عالی ہمت لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے نظام اور قانون کے تحت ان کی استعداد کے مطابق اپنی بقا سے مشرف فرماتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان پر عزم اور عالی ہمت لوگوں کی امیدوں کو ہمیشہ بر لاتا ہے۔ پھر وہ لوگ بقدر ظرت اللہ تک رسانی حاصل کر لیتے ہیں۔

دنیا میں ہر شخص اپنی ہمت اور استطاعت کے **رزق مقسوم** ۱ مطابق کسی ایک امر کو اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ بس امر کو پسند کرتے ہیں۔ اگر آپ کو دنیا ہی پسند ہے اور یہی دنیاوی رغبت ہے اس ذیل میں یہ جان لیں کہ دنیا کو روزِ اول ہی سے مقسوم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح رزق اور روزی بھی تقسیم کر دی گئی ہے۔ اس تقسیم کے بعد ہمارا پالنا اس کام سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس تقسیم میں جو راز اور حقیقت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو بھی اس کے مقدر اور مقسوم سے زیادہ رزق حاصل نہیں ہو سکتا۔ کسبِ رزق کی تمام کوششیں اور جیلے اس رزق کو بڑھا نہیں سکتے، اور یوں بھی یہ خاطر جمع رہے کہ زیادہ اور فراوانی کے لالچ اور حرص سے رزق میں کسی طرح کی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے زند، عبادت یا معرفت کی منزلیں طے کر لینے سے بھی رزق مقسوم میں کمی یا بیشی نہیں کی جا سکتی۔ اپنے اعمال کی برتری کے باعث کوئی مقسوم سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس جہالت اور زنا



کے گہرے درجے کسی کے رزق میں کمی کا باعث بھی نہیں بن سکتے۔ جو اور جس قدر رزق لکھا جا چکا ہے۔ وہ ہر ایک تک پہنچ کر رہتا ہے۔

اگر آپ نے عقبیٰ اور آخرت پسند کی ہے تو یہ بھی **عقبیٰ والے** : حقیقت ہے کہ اس کا حصول اسی سطح پر ہوگا جس سطح پر آپ کے اعمال ہیں اور نیک اعمال کے لئے بھی اللہ توفیق فرماتا ہے۔ ان نیک اعمال کے حوالے سے آخرت خود بخود ہی بہتر ہوتی جاتی ہے لیکن آخرت کے حصول کے لئے اعمال کی توفیق کے لئے دعاؤں میں جس قدر انکساری اور عاجزی ہوگی اسی قدر دعا مستجاب ہوگی۔ جو جو یہ دعائیں قبولیت کا شرف حاصل کرتی جاتی ہیں اعمال خیر اور نیک کی توفیق میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح آخرت اور عقبیٰ والوں کو آخرت میں کامیابی میسر ہوتی ہے۔ انہیں جنت ملتی ہے۔ جنت کی نعمتیں اور درجات اور مراتب حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ہر درجہ کی جنت کا حصول صرف اور صرف نیک اعمال اور نیک کی فراوانی اور عبادت کی کثرت پر ہے۔ اس حوالے سے بندہ ثواب کی طلب و لگن میں نیک اعمال کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے چونکہ یہ نیک اعمال خاص مقصد کے حصول کے لئے ہیں تو یہ مقصد بھی اللہ اور بندے کے درمیان ایک حجاب بن جاتا ہے۔

بندے اور اللہ کے مابین جو مطلب اور

**مقصد کا حجاب** : مقصد کا حجاب ہوتا ہے وہ بندے کو اصل مال سے بہت دور رکھتا ہے۔ ایسا شخص معرفتوں کی بلند و بالا منزلوں سے محروم اور وصال الہی کی لذتوں سے مایوس ہی رہتا ہے۔ یہی حجاب بندے کو قرب الہی سے بہت دور رکھتے ہیں۔ وہ بندہ عشق عظیم و کبیر سے محروم ہی رہ جاتا ہے۔

پس اگر آپ اللہ سے محبت رکھنے کے طالب ہیں۔ معرفتوں کی لذت سے روح کو مشرف و تہال کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے لازم ہے کہ اپنی نظر کو اللہ کے

سوا کسی بھی دوسری جانب بھٹکنے نہ دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ بندے کی نظر اس سے ہٹ کر کہیں اور نہ بھٹکے اور نہ اٹکے۔ اللہ کی محبت میں اسی سے وصل کی طلب کرنی چاہیئے، اسی کا قرب منشا ہو۔ اس حالت اور کیفیت میں اللہ کی جانب لگنے والی نظریں کسی دوسری چیز کو دیکھ ہی نہ سکیں۔ انہیں کچھ اور دکھائی ہی نہ دے۔ ان ظاہری نگاہوں کے کُل طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب لگنے سے دل کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ پھر اس طرح ظاہری آنکھیں ایسے نظاروں اور امور کو دیکھتی ہیں کہ جن سے دل کو خوشی ملتی ہے۔ دل شاد ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ کی جانب کو لگانے سے اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ معدوم ہو جاتا ہے غیر اللہ غائب ہو جاتا ہے۔

**مرحلہ عشق کے کرشمے :** تعالیٰ کا نظارہ ہوتا ہے اور اللہ اپنے نظارے کے لئے اپنے بندے کے دل کو وسعت و گہرائی بخشتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ تجلیات اس کھول کی وسعتوں اور پہنائیوں میں سما سکیں، اور اس طرح پوری کائنات پر بھی واضح ہو جائے کہ بندے نے غیر اللہ کو چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ ہی کو اپنا لیا ہے۔ اس صورت میں کائنات کو ابھی دیتی ہوئی خوشی محسوس کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس سطح اور درجہ پر شرف قبولیت بخشے ہوئے بندے کو دلالت کے منصب سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اس طرح بندہ دنیا کے تمام جاری و ساری نظام سے علیحدہ ہو کر غایتِ خاص کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بندے کی زبان اور اندازِ اہل عشق کے سے ہو جاتے ہیں وہ محبت کا مدعی ہو جاتا ہے۔ اس کے اعمال میں بھی محبت در آتی ہے۔ پھر وہ محبت کا جواب بھی محبت ہی سے دینے کا خواہر ہو جاتا ہے۔ محبت کے جذبہ اور جوش کی یہ کیفیت بندے کے اندر خود کئی اہم تبدیلیاں پیدا کرتی ہے۔ یہ تبدیلیاں خوش



آہستہ اور خوشگوار ہوتی ہیں اور کیونکہ اس مرحلہ عشق پر مصائب اور دشواریاں خود بخود آسان ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ مقام و مرتبہ ہوتا ہے کہ سالک اس واردات کو بیان کرنے سے عاری ہو جاتا ہے وہ اپنے مقامات کا ذکر ادبیان کرنے سے محو نہیں ہونا چاہتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ان مقامات کا تذکرہ ادا کرنے کی خاطر اپنے آپ سے تو ان کا بیان ضرور کرتا رہتا ہے اس تکرار سے اس میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور حاصل کردہ مقامات کو دوام ملتا ہے۔

انسانی پر راز کے ان تین درجوں اور گروہوں کا قرآن حکیم میں بھی واضح ذکر ملتا ہے،  
 ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ  
 عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ فَ  
 مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ  
 بِالْخَيْرَاتِ يُرِيدُ اللّٰهُ ۝

د سورة

قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر یوں ہے کہ نبی آدم میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی جانب صرف طلب دنیا کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ سے دنیا ہی طلب کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے پروردگار کی جانب دونوں جہانوں کی طلب لے کر بڑھتے ہیں۔ ان لوگوں کی طلب بھی ایک منغیہ مقصد کی خاطر ہے۔ لیکن ایک تیسرا گروہ بھی ہے۔ وہ نہ دنیا طلب کرتا ہے نہ آخرت اور عاقبت کے خطرے سے عقبی مانگتا ہے۔ وہ دین بھی نہیں مانگتا۔ جنت کی بھی وہ طلب و آرزو نہیں کرتا۔ وہ طبقہ صرف اور صرف بھلائی مانگتا ہے۔

اس مد میں یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ اپنے اللہ کو صرف دنیا ہی کے طلب کرتا رہتا ہے۔ اس گروہ کی تمام تر مساعی حصول دنیا ہی کے لئے



رہتی ہے۔ دوسرا گروہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے آخرت کی نعمتیں اور بخشش طلب کرتا ہے۔ آخرت کے ثمرات و دجھت کے لئے وہ عبادات کرتا۔ پھر ایک گروہ صرف دنیا نہیں اس کے ساتھ آخرت اور عقبی کا بھی طالب ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک جبر الگاہ اور ممتا زد گروہ وہ ہے جو اپنے پروردگار اور خالق سے نہ دنیا مانگتا ہے اور نہ عقبی اور آخرت کے لئے تڑپتا ہے۔ وہ اپنی طلب اور آرزو میں سے دنیا کو بھی خارج کر دیتا ہے اور آخرت کو بھی۔ وہ ان سے ماوریٰ اپنے اللہ سے قرب کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ حصول قرب الہی کی ہر آرزو کسی مقصدی الائنس یا لایج سے مبرا ہوتی ہے۔ اس طرح وہ دنیا اور عقبی کو اصل میں تو طلاق دے دیتا ہے لیکن درحقیقت دنیا اور عقبی اس کی اپنی غلامی اور دسترس میں آجاتے ہیں۔ اسے دونوں جہاں کی کوئی طلب اور پرواہ نہیں رہتی۔ اس کے لئے اللہ ہی سب کچھ اور کافی ہو جاتا ہے۔ اور یہ دنیا اور آخرت بھی تو اللہ ہی کے ہیں۔

اسی حوالے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

**حدیث نبوی:** وسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں بیان ملتا ہے کہ ”اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ۔ اے داؤد! یہ ایک حقیقت اور سچ ہے کہ جو شخص ہم (اللہ) کو اپنے لئے سب کچھ اور کافی جانتا ہے تو ہم اسے اپنا بنا کر اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں۔ پھر ہمیں اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری جانب جو شخص یہ جانتا ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی اس پر قادر ہے۔ اللہ ہی کائنات کا مالک و خالق ہے اور پھر ہم (اللہ) پر یقین اور بھروسہ نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کے ہم سو نہیں سکتے۔ اسے اپنانے کی کبھی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اسی ذیل میں نبی اکرم حضور پر نور کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: **اَوَلَوْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ** ۵

اے محمد! کیا تمہارا پروردگار تمہارے لئے کافی نہیں ہے اور بے شک وہی ہر شے اور امر

پر قادر اور خود ہی شاہد اور گواہ ہے)۔

اس نہایت فصیح و بلیغ بیان تذکرے کے بعد حضرت جنید بغدادی کے چند ایک اشعار بھی اسی زمرے میں اپنے اندر دریا کے معنی لئے ہوئے ہیں۔

## اشعار :

عربی زبان کے چند خوبصورت

اشعار کا سلیس نثری ترجمہ

کچھ اس طرح سے ہے کہ :-

میرے لئے میری ذات کا ناتواں اور ضعیف ہونا ایک نعمت ہے کیونکہ اللہ جل شانہ جو گناہوں کو بخشے والے اور درگزر فرمانے والے اور عیبوں اور برائیوں کو چھپانے والے ہیں، وہی میرے لئے کافی ہیں۔ میں کس بھرتے پر تفاخر کروں۔ میرے پاس ہے ہی کیا؟ میرے اندر بھی کچھ نہیں ہے۔ میں تو اپنی نادانیوں اور کم عقلیوں پر نادم و شرمندہ ہوں مجھے اگر کوئی فخر ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ میں اللہ کا ہو جاؤں۔ اسی اس امید پر مجھے فخر ہے اور ایسی زمین یا ایسی جگہ کہ جس پر محبوب نہ ملے، جس زمین پر محبوب دُور رہے۔ ایسی زمین کو اچھا نہیں کہا جاسکتا وہ زمین ارذل اور گھٹیا ہے کہ اس کے لئے محبوب نہیں ہے۔ اصل میں تو اس کائنات میں اس کے روئے زیبا کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ مجھے اس ہیروہ محبوب کے سوا اس کائنات میں کچھ اور پسند نہیں ہے۔ اور پھر اس حسین و جمیل کائنات میں جو کچھ

بھی اور حسن اور رعنائی ہے، حسین چیزیں ہیں، ان میں محبت ہی تو کار فرما ہے اور بلاشبہ اس محبت سے بڑھ کر دنیا اور کائنات میں کوئی چیز زیادہ حسین اور زیادہ پاکیزہ نہیں ہے۔ اے اہل ایمان! اور باتوں پر یقین اور توجہ کرنے والو! انہیں نے جو کچھ قدرے کھول کر بیان کیا ہے، اس میں عالی ہمتوں کا ذکر ہے۔ توجہ طلب یہ امر ہے کہ کوئی چیز بذاتِ خود کچھ نہیں ہے۔ اس کی طلب اور چاہت ہی اس کا مقام متعین کرتی ہے۔ چیز کی قدر و قیمت اس کے مرتبہ اور بلندی کے حوالے سے متعین ہوتی ہے اور بلندی اور مرتبہ اسے انسانی طلب اور آرزو ہی بخشتے ہیں۔

یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

**محبت کا بدلہ محبت:** ہر چیز کا کچھ عوض مقرر کر رکھا ہے۔ اس عوض کے بدلے میں وہ شے حاصل ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے محبت الہی کا کوئی عوض نہیں رکھا ہے تاکہ وہ قیمت بن سکے اور عوض ہو سکے، اور محبت کا عوض محبت سے ہی ادا کیا جاسکے۔ محبت کا بدلہ محبت ہے۔ یہی اس پوری کائنات کا منشا اور مقصود ہے۔ لہذا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اگر اللہ تعالیٰ کو اپنا لیا ہے تو پھر ہر طرح کے غیر اللہ سے کنارہ کش ہو جانا چاہیے۔

میں نے حتی الامکان صراحت اور وضاحت کی کوشش کی ہے، لیکن پھر بھی مزید وضاحت اور تفصیل اور معرفت کے حقائق کی شرح و تفسیر کی خاطر آپ کے غور و فکر کے لئے اور عبارت بھی دی جاتی ہے۔



## اللہ کو کافی سمجھنے والے

حضرت ابو القاسم عارف نے فرمایا کہ :

اے اللہ والو! یہ برحق جان لو کہ اس دنیا میں اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جو اپنی تمام تر دنیوی خواہشات اور آرزوؤں کو ختم کر دیتے ہیں اور ہر طرح کی نفسانی اور روحانی متناؤں سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آخرت کی طلب و خواہش سے یکسر دست کش ہو جاتے ہیں۔ اور ان سب کے بجائے وہ صرف اور صرف اپنے مولیٰ کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں ان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انہیں اس امر کی کوئی خبر ہی نہیں رہتی کہ وہ راہ حق میں کیا کچھ ترک کر چکے ہیں۔ وہ دونوں جہانوں سے بے خبر اپنے خالق و مالک کے ساتھ اس طرف وابستہ ہو جاتے ہیں کہ انہیں ایسی وابستگی ہی میں سکون قلب اور تسکین بھی نصیب ہوتی ہے۔ ان کا جسم و جان اور بدن بھی ایک خاص انبساط محسوس کرتا ہے۔ وہ اس سطح اور بلندی پر کہیں اور کو دیکھتے ہی نہیں ان کا واسطہ اور رابطہ اپنے خالق کے ساتھ مستقل اور دائمی ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت قابل غور ہے

دنیاوی فراغت کے قرینے : کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا باقی سب کا

دنیا اور ساری کائنات کو دل سے نکال دینے کا ایک قرینہ اور سلیقہ ہے۔ وہ سلیقہ اور قرینہ یہ ہے کہ دنیا جہان کے ارادوں کو دل سے نکال دیا جائے جو بھی ارادہ اور آرزو ہو اسے دنیا یا دنیا والوں سے وابستہ کرنے کے بجائے اس دنیا بنانے والے سے وابستہ کر لیا جائے۔ دنیاوی لذتوں بھرے امور سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ ان لذتوں کی ہوس و حرص سے منہ موڑ لیا جائے۔ اور بجائے اس کے اپنے ارادوں کا منشا اپنے پروردگار کو بنایا جائے اللہ تعالیٰ ہی کو کافی اور محیط سمجھا اور مانا جائے۔

جس طرح دنیاوی امور اور لذائذ میں بڑی نفسانی کشش ہوتی ہے اسی طرح آخرت اور عقبیٰ کے ثمرات اور درجات کی بھی خاصی چاہت ہوتی ہے لیکن اللہ کی جانب مائل ہونے کے لئے آخرت اور عقبیٰ کی آرزو بھی چھوڑ دینی چاہیے کیونکہ جو شخص دنیا ہی میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ اور اللہ تعالیٰ کا قانون ایسے شخص کو دنیا ہی کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح آخرت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اور پھر دوسرے درجے پر جو دنیا چھوڑ کر آخرت اور عقبیٰ پر نظر رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ عقبیٰ چاہنے والے بھی اللہ سے دُور ہو جاتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس جس کو اللہ تعالیٰ سے وابستگی کے بعد حق بل جاتا ہے۔ یہ دونوں جہاں اسی کے تابع اور ملکیت میں ہو جاتے ہیں۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَمَا لَهُ فِي آخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝"

ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی بنانے کا طالب ہے اللہ اس کے لئے اس کی اسی آرزو میں زیادتی فرماتا ہے۔ اور جو شخص دنیاوی حصول و منفعت چاہتا ہے۔ اللہ اس کو دنیا دے دیتا ہے۔ اور جو دنیا کے چاہنے والے ہیں ان کے لئے آخرت میں کچھ نہیں ہے۔

آزمائش ہے اللہ والوں کے لئے؛ بھی ارشاد ہے کہ:  
حدیث نبویؐ میں

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کر لیا تو پھر اس مخلوق کے سامنے اس دنیا کو اس کی تمام تر خوبصورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ پیش کیا۔ اس پر اس دلفریب اور دلکش دنیا کو ہر ایک ہزار انسانوں میں سے صرف ایک انسان نے دنیا کو پسند نہ کیا۔ لیکن نو سو ننانوے انسانوں نے دنیا ہی پسند کی۔ پھر جب ان ایک فی ہزار دنیا نہ چاہنے والوں کے سامنے اللہ تعالیٰ جنت اور جنت کی نعمتیں اور فیاضیاں رکھ دیں تو ان چنیدہ فی ہزار انسانوں میں صرف ایک انسان نے اس جنت سے بھی منہ موڑ لیا۔ اس مقام و موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ اکی جانب سے ارشاد ہوا کہ اے میرے بندوں کی جماعت تو نے دنیا اور جنت دونوں کی پرواہ نہیں کی۔ انہیں بھی ٹھکرا دیا ہے۔ آخر تم کیا چاہتے ہو!۔ اس جماعت کے ان لوگوں نے عرض کی کہ اے ہمارے مالک و مولیٰ تو ہمارے حال اور طلب سے خوب واقف ہے اور یہ بھی آپ پر آشکارہ ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ اس مقام و منصب پر اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوا کہ مجھے خبر ہے کہ تم صرف اور صرف مجھے چاہتے ہو۔ لیکن تمہاری اس چاہت کا بھی ہمارے یہاں امتحان لیا جائے گا کہ تم اپنی اس طلب و آرزو میں کس قدر صادق اور ثابت قدم ہو۔ تمہیں مصائب اور مشکلات کی کٹھن گھائیوں پر سے گزرنا ہو گا۔ سماوی بلائیں بھی تمہیں تمہاری استطاعت کے مطابق



آن گھیریں گی۔ یہ بلائیں اس قدر بڑی اور بوجھل ہوں گی کہ ان کا بوجھ زمین اور آسمان بھی اٹھانے سے عاری ہوں گے۔ لیکن اگر تم اسے میرے بندو! ان مصائب و آلام اور بیات کے اثر دہام میں بھی ثابت قدم رہو گے اور صبر سے کام لو گے تو پھر میں اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں اپنے قرب سے نوازاؤں گا۔ وہ تمہارے لئے کافی ہو جائے گا۔ تم پر اپنی تجلیات کی فراوانی فرما دے گا۔ تمہیں تمہارے صبر اور ثبات قدمی کے باعث روحانی لذتوں سے متصف کر دے گا۔ تمہارے حجابات بھی دور فرما دیگا۔ پھر ایسی صورت میں تمہاری نگاہیں ایک خاص قسم کی بصیرت سے فیض یاب ہوں گی۔ اس بصیرت سے تم اپنے خدا کی بڑائی اور عظمت اور جاہ و جلال کو مکمل طور پر دیکھنے کے لائق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن کر ایسے چندہ عارفوں کی جماعت نے کہا کہ اسے ہمارے عالی اور مالک و خالق پروردگار تو جس طرح اور جو چاہتا ہے وہی ہمارے لئے کر دے ہمیں جس بھی طرح چاہے آزما لے کیونکہ تو ہم پر ہر طرح سے فائق اور غالب ہے۔“

ایک روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ معیارِ فضیلت! نے ایک روز خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ آپ کس خواہے سے ہم سب سے زیادہ آگے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس سوال کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برملا فرمایا کہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جنہوں نے مجھے فضیلت اور فوقیت بخشی ہے۔

اول یہ کہ جب یم مشرف بہ اسلام ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ متعدد لوگ دنیا کے طلبکار ہیں۔ اسی طرح بے شمار لوگ آخرت چاہنے والے ہیں۔ اس صورت میں میں نے اپنے اللہ کی خواہش و طلب کی۔

دوم یہ کہ جب ہم مشرف بہ اسلام ہوئے تو ہم نے دنیا کی کسی لذت کو نہ چکھا اور نہ اسے حاصل کرنے کی پرواہ کی، لہذا ہمیں جو بھی انبساط اور لذت حاصل ہوئی۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے اس کے ذکر خیر سے حاصل ہوئی۔ اللہ کے دین کے لئے سعی و عمل ہی سے ہمیں رفعت، معرفت اور مسرت نصیب ہوئی۔ میں نے نہ تو دنیا کو کوئی اہمیت دی اور نہ دنیا کی کسی لذت کا تعاقب کیا۔ مجھے اس کی طلب کی آرزو بھی نہیں تھی۔

سوم یہ کہ جب سے میں مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔ میں نے کبھی سیر ہو کر اچھ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ پیٹنے کے معاملے میں بھی میں نے کبھی سیرابی حاصل نہیں کی۔ کیونکہ بھرا ہوا پیٹ بہر صورت معرفت کو ضائع کر دیتا ہے۔ میں نے بفضل تعالیٰ اپنی اس فضاحت کی نحو کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

چہارم یہ کہ زندگی میں جب دو باتیں یعنی میرا ذاتی فائدہ اور منفعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا میرے سامنے ہوتی تو میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور اللہ تعالیٰ ہی کی بات کو اختیار اور قبول کیا۔

پنجم یہ کہ الحمد للہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ساتھ کو بفضل تعالیٰ اعدگی سے نبھانے کی ہمیشہ کوشش کی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، منصب نبوت، آپ کی عزت و حرمت اور قدر و منزلت کو برقرار رکھنے کی ہمیشہ سعی کی۔

یہ وضاحت اور تفصیلی جواب سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عجیب کیفیت وارد ہوئی اور آپ رونے لگے اور پھر فرط جذبات سے فرمایا کہ اے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کو یہ منصب و مرتبہ اور مقام مبارک ہو۔ مکرر مبارک ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور حکایت ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے

تو دیکھا کہ سجدے میں پڑا ہوا ایک بدو نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ رورو کر اپنے اللہ سے یہ دعا مانگ رہا تھا کہ "اے میرے مولا! میں تجھی کو حاصل کرنے کا متمنی ہوں۔ اے اللہ تو مجھے اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھا دے۔ میں دونوں جہانوں کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف تیری ہی طرف آتا ہوں۔ اے مولیٰ تو مجھے اپنی راہ میں قبول فرما لے۔ مجھے اپنی راہ میں کامیابی سے ہمکنار فرما۔ میری امیدوں کو بر لا۔ میری امیدیں بھی تجھے سے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بدو کی یہ التجا اور دعائیں کر زار و زار روتے لگے۔ اور بے تحاشا روتے رہے۔ اور فرمانے لگے کہ واقعی لوگوں کی ہمتیں بہت عالی اور بلند ہوتی ہیں۔ بعض لوگ صرف نفس پرست ہو کر نفس ہی کے لئے طلب کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف اور صرف اللہ کی طلب میں ہوتے ہیں اور وہ اپنے اللہ کو پالیتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ  
**ایک حکایت ایک نظریہ :** تعالیٰ علیہ سے ایک حکایت منسوب ہے کہ انہوں نے ایک بار کسی سے یہ آیت قرآنی سنی کی کہ تمہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں کہ صرف اپنے ارادوں میں فقط دنیا ہی کو رکھتے ہیں۔ اور پھر اس طرح کے لوگ بھی ہیں کہ جو فقط آخرت اور عقبیٰ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کو سن کر حضرت بایزید بسطامی رونے لگے اور پھر فرمایا کہ "اللہ پروردگار کی جانب سے اپنے بندوں کے لئے یہ ایک گلہ ہے۔ ایک شکوہ اور شکایت ہے کہ اے لوگو تم نے صرف دُنیائے دنیا اور عقبیٰ ہی کو طلب کر کے قناعت کر لی۔ اگر تم اپنے آپ کو اللہ سے وابستہ کر کے اللہ ہی کے سپرد کر دیتے تو اللہ تمہیں بے حساب عطا فرماتا۔ اللہ بندے کے قریب تر ہو جاتا



اللہ تمہاری بصارت، تمہاری سماعت اور تمہارے اعمال و افعال کی حرکات و سکنات بن جاتا۔ تمہارے لئے اللہ سب کچھ ہو کر کافی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ اپنے ایک وعظ میں اپنے بیٹے **ایک نصیحت:** کے لئے یوں نصیحت فرماتے ہیں کہ: اے میرے پدر عزیز! اگر تم اللہ کی بارگاہ میں موجود ہو تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم اپنے اللہ ہی سے محبت کرو۔ اسی کو یاد کرو۔ اسی کی خدمت کا حق بجا لاؤ۔ اس کے لئے دنیا کی ہر شے کو مکمل طور پر ترک کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں طلب دنیا سراسر ایک ندامت ہے اس طلب میں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اللہ سے لڑنے سے آخرت خود بخود تمہارے تابع ہو جاتی ہے۔ تو اے میرے پیارے لخت جگر! جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اے ہر طرح سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اللہ ہی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی دوسرے کا محتاج ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس لئے اے پدر عزیز! اللہ کا ہو کر کسی دوسرے یا دوسری چیز میں مشغول ہو جانا ایک ظلم ہے جو اللہ کا ہو جانا ہے وہ اس ظلم سے بھی بچتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عارف دنیا و آخرت کے کسی شغل میں الجھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ دنیا اور وہ آخرت آخر تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ اللہ ان پر قادر و غالب ہے۔ جب انسان اللہ کا ہو جاتا ہے تو معرفت کے حوالے سے بڑی بلندی پر ہوتا ہے۔ اس کی رفعت کامل ہوتی ہے وہ انسان کامل بن جاتا ہے اور معرفت اور رفعت سے عارف ہو جاتا ہے۔ اور ایسا عارف کامل غیر اللہ کے ترک کے حوالے سے دونوں جہانوں سے نامیہ اور نابلد ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے پر بذریعہ اتفاق فرمایا کہ: ”اے میرے بندے میں ہی نے تجھے یہ ساری رفعتیں اور فضیلتیں بخشی ہیں، اور پھر میں نے ہی تجھے اپنی عبادت کرنے کی توفیق دی ہے۔ اور یہ بھی کہ میں نے تمہارے معاملے میں

کسی کی سفارش یا طرف داری کے بغیر اپنی رحمتوں سے نمایاں کیا ہے۔ ان نعمتوں اور فضیلتوں کے بعد میں نے یہ تقاضا کیا کہ تو صرف میرے ہی ذکر میں محو اور مشغول ہو جا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ تجھ سے یہ بھی توقع رکھی کہ تو اپنے اس عمل میں کسی بھی طرح کے بدلے یا جزا اور معاوضے کی تہرا تو میں اسے نہ تو لے۔“

اس روایت ہی کے حوالے سے حضرت عارف کا ادنیٰ درجہ :

ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضاحتی انداز و اسلوب میں فرمایا کہ ”اگر کوئی عارف ہو اور وہ پانی پر بھی خشکی ہی کی مانند چل رہا ہے تو یہ عمل اس عارف کا ایک کمترین درجہ اور مرتبہ ہے۔ لیکن اصل میں اہم اور بلند درجہ یہ ہے کہ عارف دونوں جہانوں سے ماورا ہو جائے۔ یہاں پر اسے اس کا پروردگار اور خالق و مالک جہاں اور جس حال میں رکھے وہ اس پر صبر کرتا ہوا حق کے ساتھ وابستہ رہے۔ اس عارف کی مثال ایسی ہو جائے کہ ایسا ہو جائے جیسا وہ اس عالم رنگ و بو میں آنے سے پہلے تھا یا وہ جس طرح ازل سے تھا۔“

اس زمرے میں حضرت ابن ابی سلمہ نے فرمایا تھا کہ وہ جو لوگ دنیا ہی کو اور اس کے محاصل کو سواہنِ دوح بنا لیتے ہیں۔ وہ اسی دنیا کے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں تو اس کا بھی یاد رہتا ہے کہ ہم عقبیٰ اور آخرت کی خاطر بھی اگر یہ زاری کریں ہمیں تو یہ زیب ہی نہیں دیتا۔“

ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حوالے سے فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ ہمارے لئے دنیا کو پسند کرتا مناسب ہی نہیں سمجھتا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں سے دور اور محروم رکھا۔ ہمارا دامن ان سے پاک و مبرا رکھا۔ کیونکہ ان نعمتوں کی فراوانی سے غداہ اور مصائب در آتے ہیں۔ لیکن اس کے بجائے دھیرے دھیرے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ فرصت ہی نہ دی کہ ہم اپنی نظریں اور توجہ اپنے پروردگار سے ہٹا کر



معرفت کی بلندی سے پستی کی جانب چلے جائیں۔“

حضرت رابعہ بصری عارفِ رضی اللہ عنہما

**جنت کی حقیقت :** نے اس ارشاد پر بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا کہ۔

”اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ عارفوں کے لئے اپنے محبوب سے ایک لمحہ بلکہ ایک دقیقہ بھی غافل رہنا اور آخرت کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھنا بے ادبی اور اللہ کی حکم عدولی ہے۔ ویسے بھی جنت میں ہے ہی کیا کہ جس کی ہم چاہ کریں اس غفلت میں سراسر زیاں ہے اور بھاری خسارہ ہے۔ عارفوں کے لئے۔ بلکہ وہ تو عارف ہو ہی نہیں سکتا جو جنت اور اس کے اندر موجود نعمتوں اور عظمتوں میں کھوجانے کی طلب رکھتا ہو۔ اور ان کے حصول کی خاطر اپنے پروردگار سے دور اور غافل ہو جائے۔“

شیخ المشائخ کا ارشاد ہے کہ ”ہم

**بامِ عروج و عظمت :** مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ ایک پڑھتا ہوا مردہ اور

پھٹے ہوئے لباس والا نوجوان وہاں آیا۔ بھوک اور فلاکت کے باوجود اس کے چہرے

سے صبر نمودار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی پتلی حالت کو دیکھ کر ایک سودیہار کی ایک

تھیلی اس نوجوان کو پیش کی اور کہا ”اے نوجوان یہ رقم شاید تمہاری فلاکت اور پریشانی

کو دور کر سکے۔“ لیکن اس نوجوان نے میری اس پیش کش پر پرکھ جتنی بھی توجہ نہ دی۔

لیکن میں نے اس کی منت کی کہ وہ اسے اپنی ضرورت کے لئے لے لے۔ اس بار

اس نوجوان نے میری جانب متوجہ ہو کر کہا کہ اے پیرِ برکت ! یہ وہ حالات اور واردات

ہے جو عارف پر وارد ہوتی ہے۔ میں جنت کا نہ خریدار ہوں اور نہ مجھے جنت سے کوئی

سردکار ہے۔ اور یہ مقام تو استقلال کا مقام ہے۔ اس مقام پر سب کچھ موجود ہے

یہی مقام تو عروج و عظمت اور عالی ہمت کا ہے۔ ہم کسی ادنیٰ، گھٹیا اور حقیر چیز کے

لئے اپنے مقام و مرتبہ اور کیفیت کو کیوں چھوڑ دیں ؟



اسی طرح ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا دارین سے چھٹکارا یا جنت کا طلبگار رہتا ہے وہ معرفت سے دور ہو جاتا ہے۔ معرفت حصول دارین یا دونوں جہانوں کا پالینا نہیں بلکہ معرفت تو اللہ تعالیٰ سے دوستی کا نام ہے اور یہ دوستی دارین سے گزر جانے کے بعد کا مقام ہے حکایت ہے کہ کسی عارف نے ایک میت کی نماز جنازہ پڑھی تو اس عارف نے جنازہ کی معمول کی مقررہ چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں پڑھیں۔ اس کے انتظار کے جواب میں اس عارف نے فرمایا کہ ”میں نے چار مقررہ تکبیریں تو واقعی اس حاضر میت کے لئے پڑھی ہیں اور پانچویں تکبیر ”دارین“ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی خاطر پڑھی ہے۔“

ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی فرماتے ہیں کہ ”بندے کی عظمت برتری اور انسانی فضیلت یہی ہے کہ وہ دونوں جہانوں سے گزر جائے اور اللہ کا برگزیدہ بن جائے لیکن چھوٹے ظرف والے انسان دارین میں اپنے حصے کی طلب و حصول میں غفلت ہو کر اپنے حائق حقیقی کے درمیان حجاب پیدا کر کے حق تعالیٰ سے دور ہو جاتے ہیں۔“

متعدد اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ ”دنیا کے طلبو اس دنیا سے گزر جاؤ۔ اگر تم دنیا چھوڑ دو گے تو یہ خود تمہیں طلب کرے گی۔ اسی طرح عقبی طلب کرتے والو، اس آخرت اور عقبی کی طرف ترک کر دو۔ اس طرح عقبی تمہیں خود طلب کرنے لگے گی اس حالت میں تمہارے لئے تمہارا پروردگار ہی کافی ہے اور وہی ہر چیز پر قادر و شامد ہے۔“

محترمین حقیقت بددش اور وضاحت کا باعث بننے اشعار! دے چند اشعار (کا ترجمہ پیش ہے)۔

اے میرے مولیٰ و مالک! میں معرض آزمائش میں ہوں، مصیبت میں ہوں لیکن اس آزمائش اور مصیبت میں بھی میں شکایت کا مرتکب نہیں ہوں۔ میرا دعا اور منتا آپ پر واضح ہے، تو ہی تو میری منزل اور مراد ہے۔ من و دلوٰی میری مراد نہیں ہیں۔ اے اللہ اگر تو مجھے دنیا اور عقبیٰ دونوں بھی دے دے تو میں ان کا طلبکار نہ بنوں ہوں۔ میں ان دونوں جہانوں کے بجائے اپنے مولیٰ پر نگاہ رکھے ہوتے ہوں۔ وہی میری منزل اور مراد ہے۔“

ایک اور شعر کا ترجمہ یوں ہے: ”میں نے دنیا کی رنگینیوں اور طلبوں اور دین کو بھی خیر یاد کہہ دیا ہے (کیونکہ یہ دین حصول عقبیٰ و آخرت کا ذریعہ ہے) اب اے میرے خدا! تو ہی میرا دین ہے اور تو ہی میری دنیا ہے۔ اب دین و دنیا اور اس کے حاصل جو بھی ہیں وہ میرے لئے تجھ ہی سے ہیں۔“

## باب - ۳

# اللہ کے دوست اور غیث الہی

ابوالقاسم حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ :

اے اللہ تعالیٰ کو دوست اور عزیز رکھنے والو! یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے اسرار اور مختلف استعدادوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ لوگوں کا باطن بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے روشن اور عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ علم آپ لوگوں پر اللہ کی رحمت و برکت اور عنایت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جب بندوں میں سے کسی اللہ کی غیث کو اپنے لئے پسند کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ مقام کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حسب حال ان کی غیرت محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی غیرت کو اپنے بلند و بالا مقام پر اہم بنا دیتے ہیں۔ بندہ کو اپنے اللہ کی غیرت کے حوالے سے یہ مقام و مرتبہ اللہ ہی کو جانب سے ملتا ہے اور اللہ تو ہر صورت اس مقام غیرت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

جو شخص جس کا ساتھی اور دوست ہوتا طالب و مطلوب ہے اسی حوالے سے پہچانا اور جانا جاتا ہے۔

شیطان کا ساتھی کمرہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے لیکن جو اللہ کا ساتھی دوست بن جاتا ہے۔ اللہ اسے عزیز رکھتے ہیں۔ اسے عزت بخشتے ہیں۔ اس کا مقام و مرتبہ



بند فرماتے ہیں۔ ایسی سورت میں اگر طالب کبھی مطلوب سے ایک لمحہ کے لئے بھی گشتہ اور بے پرواہ ہو جائے اور یہ کیفیت مطلوب پر بھی ظاہر ہو جائے تو پھر اس مقام پر طالب کے لئے مصائب اور ابتلا کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خالق حقیقی کی جانب پیش رفت کرنے کے بعد کسی دوسرے کی جانب متوجہ ہونا ایک گمراہی ہے۔ ایک کیفیت ادبار و آلام ہے اس لئے لازم ہے کہ اپنے عمل سے غیرت الہی کو محفوظ رکھا جائے۔ اپنے پروردگار اور خالق و مالک کی جانب شروع کئے ہوئے سفر کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس سبیل اللہ سے بھٹکنے والے کے لئے خرابی بسیار ہے اور اللہ تعالیٰ تو جاہ و حشم اور عظمت اعلیٰ پر قائم اور دائم ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَشْدَادًا مِنَّا فَهُم مَكْرَهُونَ

(اے نبی! جن لوگوں کو میں مال و متاع، دنیاوی آسودگیاں اور دیگر آرائشیں دے

کھی ہیں، آپ تو ان کی جانب دیکھتے بھی نہیں ہیں۔)

اسی طرح دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَقُولَا إِنَّا تَبَتَّلْنَاكَ فَكَذَّبْتَ تَرْكُنَ إِلَيْنَا شَيْئًا قَلِيلًا

(اے نبی! اگر تم آپ کو آپ کے ارادوں میں ثبات بخش کر ثبات قدم نہ رکھتے

تو یہ امکان تھا کہ آپ کسی دجہ، یا تھوڑے ہی ان کی جانب متوجہ ہو جاتے

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ ہونے دیا۔)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

شانِ استقامت اور دیدار الہی؛ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک نے اپنے

ارادوں اور اللہ کی راہ میں جو ثبات اور استقامت بخشی۔ اس سے ظاہر ہے کہ

اے اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کی جانب نہ مائل ہوئے اور نہ جھکے ہی۔ پھر اس کے بعد ایک مقام پر اللہ تعالیٰ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس شانِ استقامت اور مضبوطی اور وابستگی حق کا یہ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ: **فَاَزَاغَ الْبَصَرَ وَطَاعَتِي** اللہ کے نبی کی نگاہوں نے نہ تھوکا اور فریب کھایا اور نہ ہی سرکشی و بغاوت کا ارتکاب کیا۔

نبیؐ عالی مرتبت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب ہر طرح کے غیر اللہ سے مکمل لاتعلقی اور چمٹکارہ حاصل کر لیا تو آپ بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو کر اللہ کی راہ میں حائل تمام حجابات سے مبرا ہو گئے۔ حجابات کشف ہوتے گئے اور پھر اللہ اور اس کے نبی کے درمیان کوئی دوائی نہ رہی تا آنکہ پروردگار کی جانب سے ارشاد ہوا کہ ”ہمارے پیغمبر نے جو کچھ دیکھا اور ملاحظہ کیا اس کی تکذیب نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے دل سے بھی اسے حق اور سچ جانا۔ اور انہوں نے اپنے اللہ کو بغیر حجاب کے مکرر دیکھا۔“

ایک عارف بزرگ سے روایت ہے

**رَبِّ اَمْرِي** کہ انہوں نے کسی سے قرآن مجید کی آیت **رَبِّ اَمْرِي**

**اَنْظُرْ اِلَيْكَ** (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اے میرے رب! میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔) اس عرض پر باری تعالیٰ کی جانب سے جواب تھا۔ **لَنْ تَرَانِي** وہ عارف بزرگ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی التجا میں جذبات اور لگن کی شدت تھی۔ دیلیر حق کا شوق اور دید کا اضطراب تھا۔ اس لئے پہاڑ تجلیاتِ الہی سے معمور ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام **”رَبِّ اَمْرِي“** کا ورد محو کر کے **”ثَبَّتُ الْاَنَ“** (یا پروردگار! میری توبہ ہے) نہ بھی کہتے تو بھی ان کی طلب اور التجا کی شدت و حدت نظر اُٹھتی



کی موجب بن جاتی۔ لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ پہاڑ تجلیات الہی سے جل اٹھا ہے۔ ان کا دھیان اپنے مطلوب سے ایک لمحہ کے لئے محو ہو گیا۔ اور یہی لمحہ آپ کے لئے حجاب بن گیا۔ کیونکہ اللہ اپنے اور اپنے دوست کے درمیان کسی حجاب کو قبول نہیں فرماتے۔

حضور نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ ”ایک بار میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے پاس دنیا کے تمام نوازوں کی کنجیاں تھیں۔ انہوں نے وہ کنجیاں مجھے پیش کیں۔ لیکن مجھے ان دنیاوی نوازشوں سے کوئی رغبت یا طلب نہیں تھی۔ میں نے ان کنجیوں کو پھوٹا تک نہیں بلکہ مجھ پر تو اللہ تعالیٰ کی جلالت و ہیبت چھا گئی تھی۔ مجھے اللہ کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔“

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود فرماتے

**ماسوائے محبوب !** میں نے آرزوئے حق میں تیس سال تک سعی کی مگر امید نہ آئی۔ پھر ایک دن پہاڑی دادی کے درمیان مجھے ایک بزرگ عارف دکھائی دیئے۔ میں نے ان کا دامن پکڑ لیا اور گریہ زاری کی۔ لیکن وہ بلندی پر ساکت و جامد کھڑے رہے۔ پھر جب میری آرزو اور گریہ زاری حد سے بڑھ گئی تو وہ عارف بزرگ میری جانب متوجہ ہو کر گویا ہوئے کہ اے سری سقطی میرا دامن چھوڑ دین۔ اگر میں نے تمہاری طرف توجہ کی تو میرا پروردگار جو بہت غیرت والا ہے وہ مجھ سے خفا ہو جائے گا کہ میں نے اپنے محبوب کے سوا کسی اور کو اپنا دوست ٹھہرا لیا ہے۔ میرا یہ عمل مجھے عروج سے زوال کی گہرائیوں میں گرا دے گا۔“

حضرت ابو عبد اللہ کا بیان ہے کہ ایک

**عارف بزرگ !** دفعہ وہ کہیں مسافرت میں تھے۔ انہوں نے ایک بستی میں لوگوں کا ہجوم دیکھا تو آپ بھی اس ہجوم میں شامل ہو گئے اور دریافت کیا کہ عزیزیہ دستو کیا باجرا



ہے ؟ لوگوں نے بتایا کہ اس قریبی غار میں ایک اللہ کے بزرگ رہتے ہیں اور وہ ہمہ وقت عبادت الہی میں مستغرق رہتے ہیں لیکن ایک سال کے بعد اس غار کے باہر تشریف لا کر عوام الناس کے لئے دعا فرماتے کے بعد پھر غار میں جا کر محو عبادت و ریاضت ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو عبد اللہ نے بیان فرمایا کہ ”یہ سن کر میں بھی اس اللہ کے عارف کی زیارت کے لئے اسی ہجوم کے ساتھ رُک گیا۔ پھر جب وہ اللہ کا بندہ غار سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ اس بزرگ نے بڑا بوسیدہ لباس پہن رکھا ہے۔ اور میں نے ان کا قرب حاصل کرتے کی خاطر بزرگ کا دامن پکڑ لیا۔ لیکن اللہ کے اس بندے نے مجھ سے اپنا دامن چھڑا لیا اور نہ مایا کہ میرا محبوب بڑا غیرت والا ہے۔ وہ میری توجہ کسی اور کی جانب پسند نہیں فرماتا اور اس کے بعد وہ بزرگ حسب سابق دعا فرما کر اسی غار کے اندر چلے گئے۔

حضرت بایزید بطنامی رحمۃ اللہ علیہ

### جنت کی جھلک :

فرماتے ہیں کہ مجھے مسلسل تیس سال تک جنت اور اس کے اندر موجود نعمتیں اور نظارے دکھائے جاتے رہے لیکن میں نے کبھی ان کی جانب اس خیال سے توجہ نہ دی کہ میرا محبوب کہیں اس عمل کو ناپسند نہ فرمائے لیکن ایک دن سہواً میری نظر جنت کی ایک حُور کی طرف اٹھ گئی۔ تو اس ایک نظر کی پاداش میں میں دس دن تک اللہ کی جانب سے روحانی فیوض سے محروم رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی عارف سے استفسار کیا گیا کہ کس حال میں ہیں ؟ غار نے جواباً فرمایا کہ تمام کو فتن میرے لئے حاضر رہتے ہیں لیکن مجھے ان کی جانب نظر بھرنے کی دیکھنے کا یارا بھی نہیں۔

ایک بزرگ سے روایت ہے کہ ”اللہ کے سوا

### جذبِ کُلّی :

کسی اور کو دائیں بائیں دیکھنے کی مجھے فرصت نہیں۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کا دیدار جذبِ کلی کا متقاضی ہے۔ ایک دن دورانِ طوافِ کعبہ کوئی شخص میرا نام لے کر بھی مجھے پکار رہا تھا۔ جی میں آیا کہ پکارنے والے شخص کو دیکھ تو لیا جائے لیکن عین اسی ارادے ہی پر سرزنش کر دی کہ ”مجھے (اللہ کو) چھوڑ کر دوسروں پر توجہ دینے والا ہمارا دوست نہیں؟ اس صورتِ احوال میں وہ بزرگ خوش کھا کر گر پڑے۔

دورانِ سفر ایک عارف کی سواری بھی جاتی رہی اور **حکایت:** زادِ راہ بھی نہ رہا۔ پریشانی کے عالم میں اس بزرگ نے کسی کنویں کی جانب رجوع کیا۔ کنویں میں دیکھا تو وہ زرو مال سے بھرا ہوا تھا۔ اور زرو جواہر کنویں سے خود بخود اُبل اُبل کر باہر آنے لگے۔ اس کے ساتھ غیبی آواز بھی سنائی دینے لگی کہ جو دنیا کا طالب ہے ہم اسے دنیا دیتے ہیں، اس کا میرے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہتا۔ اس غیبی صدا پر اس بزرگ نے کنویں سے تھکتے ہوئے زرو جواہر دوبارہ کنویں میں پھینک دیئے۔ اس پر دوبارہ صدا آئی۔ ”اے میرے ساتھی، میرے دوست“ پھر عارف بزرگ نے التجا کی کہ ”میسے محبوب، میرے مولیٰ! تیری ذات اور پناہ کے سوا میرا ہر ارادہ متروک ہے۔ مجھے اپنے درِ اقدس سے دُور نہ ہٹا۔“

حضرت فتحِ موصلی نے ایک بار کسی معصوم بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کا منہ چوم لیا۔ اس پر غیبی آواز آئی۔ ”آج کے دن سے تیرے دل سے ہمارا محبت ختم ہوئی۔“ اس سرزنش پر وہ بزرگ ایک زوردار چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ نے **دل میں غیہ کا قیام:** ایک دفعہ رباح بن قیس کو ایک بچے سے پیار کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”رباح! آپ کو کامیاب محبت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آپ تو اس مختصر سے دل میں بھی اللہ کے سوا کسی اور کو مگر دیتے ہیں۔“ رابعہ بصری



کی یہ بات رباح کے دل کو لگی۔ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد جب پسینہ پونچھتے ہوئے ہوش میں آئے تو بولے کہ ”رابعہ کی بات سچی تھی اور اس میں بڑی ہیبت تھی۔“

ایک روایت ہے کہ ایک دن

**صرف اللہ سے محبت :** حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں صاحبزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو زانوؤں پر بیٹھا کہ ان کے چہروں کو دیکھ رہے تھے۔ اس کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے تھے، انہوں نے والد سے کہا کہ آپ ہم سے بے حد محبت فرماتے ہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف کیا، تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ کہا کہ ”کیا آپ کو یہ زیب دیتا ہے کہ آپ اپنے اللہ کے سوا کسی اور سے اتنی محبت کا اظہار کریں؟“ اس یاد دہانی پر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بہت گریویدے ہوئے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار پھر سچی بات کی جانب اشارہ کیا کہ ”محبت صرف اللہ کا حق ہے، اور اللہ سے محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے۔ اللہ سے مخصوص محبت میں کسی دوسرے کی شرکت ممکن نہیں ہے۔“

بقول حضرت فتح موصلی: میرے دل میں میرے بیٹے کی محبت بھی جاگزیں ہونے لگی تھی۔ میں بیٹے سے پروانہ محبت اور شفقت کے بعد جب رات کو تلاوت کرتے لگا تو وہ پہلے کی سی کیفیت اور نشاط پیدا نہ ہو سکی۔ وذلالت میں بھی لطف نہ ملا۔ دعاؤں میں بھی اتنا کان پیدا نہ ہو سکا۔ پھر عالم نوم میں مجھے باور کرایا گیا کہ ”اے فتح! مجھ سے دور ہو کر غیر کے پاس جانے والوں کا یہی حشر اور کیفیت ہوتی ہے۔“ اس پر فتح موصلی نے التجا کی کہ ”اے پروردگار! میں اپنے بیٹے کو راہ حق پر لانے کے لئے سے شفقت پدری دینا چاہتا تھا؟“ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہی بچہ



اگلے لمحے بلکہ باپ کی بیداری سے بھی پیش تر رات پیشاب کرنے کے لئے اٹھا تھا کہ کنوئیں میں گر کر داعی اجل ہو گیا۔

يَا حَبِيبَ الْقُلُوبِ مَنْ سَوَاكَ  
طَالَ شَوْقِي مَتَى يَكُونُ لِقَاكَ  
يَا اَنِلِيسَى وَمَنِيتِي وَمِرَادِي  
كَذَبَ الْقَلْبُ اِنْ اَحَبَّ سَوَاكَ

ترجمہ: اے قلوب کو مرکزِ محبت و موانست بنانے والے خدا! میرے اس دل میں تیری محبت کے سوا کسی کا گزر نہیں ہے۔ میرا شوق اور جذبہ تو فراواں ہو رہا ہے۔ اب تیرے دیدار کے بغیر میرے لئے سکون و قرار ممکن نہیں ہے۔ اے میرے انیس و علیس۔ اے میری مرادوں کی منزلِ انتہا تو ہی میری مراد ہے۔ اس سطح پر اب اگر میں کسی دوسرے کی محبت کروں تو مجھے تمام دعاوی کذب ہوں گے۔ اس لئے میں دل کی صداقت سے عاری نہیں ہونا چاہتا۔

## عارفوں کی عالی ہمتی

**اصحابِ کہف :** اور پست درجہ اس عارف کا ہے کہ جو ”اللہ“ کہہ لے اہل اللہ یہ جان لو کہ عارفوں میں ادنیٰ کر اقصائے دو عالم سے بے خبر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کچھ اس کی یاد ہی سے محو ہو جائے۔ یہ حالت اصحابِ کہف جیسی ہے کہ جنہوں نے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر کہا تھا کہ ”رَبَّنَا رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (اے ہمارے رب جلیل تو ہی سموات اور زمین کا پروردگار ہے، رب ہے)۔

اصحابِ کہف نے بیداری کے بعد جب اپنے پروردگار ہی کو پکارا تو اس وقت ان کے دل دماغ اور دہم و گمان سے جنت، دوزخ، دنیا، عقبیٰ، عرش و کرسی، لوح و قلم اور نفس و رُوح سب محو ہو چکے تھے۔ انہیں اپنے رب کے سوا کسی دوسری طلب سے سروکار نہیں تھا۔ اسی لئے تو ان کے پروردگار کا ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ”فَتَّيْنَاۤ اٰمَنُوْا بِرَبِّہُمْ وَرَزَدْنَاۤ اٰھُوْھُمْۙ (یہ جو ان اصحابِ کہف ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربِ کریم کو اپنے دلوں سے محو نہیں ہونے دیا۔ اس لئے ہم انہیں مزید ہدایت سے فیض یاب کرتے ہیں)۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے الٰہک د جواں ہمت عارف : خاتون کو پچھاڑا لیتے ہیں اور اسی کے در کے ہو

رہتے ہیں۔ عارف تو صرف اپنے پروردگار کا طالب ہوتا ہے، وہ اپنے اللہ سے محبت کرتا ہے اس کے لئے اللہ کے قرب سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی طلب اور معرفت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے اللہ ہی کو طلب کرتا ہے۔ ایسے عارف عالی ہمت ہوتے ہیں۔ ان کی عالی ہمتوں پر کائنات کا تار کر دینا بھی انہیں اپنے اللہ سے برگشتہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ایسے عارف کو اللہ کے سوا کوئی اور شے نہ مانگتے ہیں نہ چاہتے ہیں۔ وہ اپنی عبادت و طلب کی بلندی پر تقویٰ کا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ اسلام کا تاج سر پہ رکھتے ہیں۔ معرفت کا پرچم بلند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنا محل و مقام بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سلطنت کو اپنی سلطنت بناتے ہیں۔ اللہ کی ہدایت کو اپنی پاکیزگی کا ذریعہ و وسیلہ بناتے ہیں۔ بھلا اس قدر بلند و بالا وابستگی کے بعد بھی کوئی درجہ اور مرتبہ باقی رہ جاتا ہے۔ یہی بلندی اور رفعت اللہ کے جو ان ہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کو ملتی ہے۔ عالی ہمت لوگوں کے بغیر بھی بھلا اس مقام و مرتبہ پر کوئی پہنچ سکتا ہے۔

عالی ہمت عارفوں کے لئے اللہ تبارک و

اللہ کے برگزیدہ: تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَ  
بِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ خَلِيفَهُ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝  
اے محمد! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے اپنے ایسے  
بندوں کو عالی ہمت بخشے ہیں اور وہ لوگ اس کے حصول پر فرحت و خوشی محسوس کرتے  
ہیں۔ اور یہ فرحت و انبساط اس مال و متاع سے بہت بہتر ہے جسے وہ لوگ جمع  
کر لے ہیں۔

جان لیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں میں سے چنیدہ بندوں کو بزرگی



اور فضیلت بخشے ہیں۔ ایسے برگزیدہ بندوں کو اللہ صرف اپنی محبت کے لئے مخصوص اور مختص کر لیتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ چاہت جنت اور دہشت دوزخ سے بالکل آزاد اور بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ

**حضرت شعیبؑ کا بیان :** حضرت شعیب علیہ السلام شوق الہی سے ہمیشہ روتے رہتے تھے۔ اس قدر زیادہ کہ یہ زاری کی کہ آنکھیں جاتی رہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں دوبارہ آنکھیں عطا فرمادیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس پر بھی روتے رہے، حتیٰ کہ آنکھیں پھر ضائع ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پھر آنکھیں بننا کر دیں۔ لیکن آپ بدستور روتے رہے۔ پھر بنیائی سے محروم ہو گئے اور مسلسل روتے رہے۔ اس کیفیت میں پروردگار عالم نے بذریعہ وحی اپنے پیغمبر سے مخاطب فرمایا کہ اے شعیب اگر دوزخ کے در سے روتے ہو تو ہم دوزخ کو تم پر حرام کرتے ہیں اور اگر جنت کی طلب و چاہ میں روتے ہو تو حصول جنت آپ کے لئے یقینی ہے۔ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام معروض ہوئے کہ اے میرے مالک و خالق میرا رونا اور آنسو یہاں صرف تیرے ہی لئے ہے۔ جنت کی چاہت یا دوزخ کے کھٹکے کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس پر دوبارہ وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے شعیب! اس صورت میں تمہارا مرض جو عشق الہی ہے۔ وہ لاعلاج ہے۔ اس میں ٹرپ اور طلب کی کوئی حد و سدھی نہیں ہے۔ بلاشبہ اس مرض کا علاج میرا دیدار ہی ہے۔ دیدار محبوب سے بڑھ کر اور بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

اسی پس منظر میں حدیث نبویؐ ہے کہ ”لَا سَاحَةَ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ دُونَ رِجَاءِ اللّٰهِ“ (دیدار ربخ یا اسے بڑھ کر مومنین کے لئے اور بھلا کون سی راحت)

خوشی ہو سکتی ہے۔

اللہ کے ایک نبی کی ملاقات ایک بار  
**مشروط عبادت :** ایسے گروہ انسانی سے ہوئی جو بڑی عبادت کرتا تھا۔ اللہ  
 کے نبی نے اس گروہ کے لوگوں سے پوچھا کہ وہ اتنی عبادت کس لئے کرتے ہیں۔ اس  
 گروہ کے لوگوں نے بتایا کہ ہمیں پیغمبروں کی تعلیمات سے دوزخ اور جنت کے بارے  
 میں معلوم ہو چکا ہے، اس لئے ہم دوزخ کے ڈر سے اور جنت کی طلب کی خاطر بے تحاشا  
 عبادت الہی کرتے ہیں۔ ہم رات دن عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ اس پر اللہ کے  
 نبی نے فرمایا کہ عبادت کا یہ طریقہ عبادت تو ضرور ہے لیکن اس میں غرض و غایت شامل  
 ہے۔ یہ عبادت مشروط عبادت ہے لیکن ہم عبادت صرف اپنے اللہ ہی کے لئے کرتے  
 ہیں۔ جہنم اور جنت کو ہم اپنی عبادت کی راہ میں حاصل نہیں ہونے دیتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ

**تین گروہ تین درجے :** السلام کا گزر ایک ایسے انبوہ انسانی پر ہوا کہ جو نحیف  
 کردار اور ناتواں تھا۔ یہاں تک کہ ان کے چہروں کی رنگت بھی بدل چکی تھی۔ حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ ”ہمیں دوزخ  
 کے ڈر نے اس سطح پر پہنچا دیا ہے“ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ ”خائف لوگوں کو اللہ  
 تعالیٰ اپنا تحفظ اور امن بخشنے میں۔“

اسی طرح پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر انسانوں کی ایک اور ایسی جماعت  
 پر ہوا۔ یہ لوگ پہلے والے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کمزور، لاغر اور پتھر مڑہ  
 تھے۔ اس جماعت کے لوگوں کے چہرے اور رنگت بالکل بدل چکی تھی۔ جب ان لوگوں  
 سے ان کی حالت و کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم جنت کی طلب  
 میں اس درجہ پر پہنچے ہیں۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ



جنت طلب کرنے والے کو جنت عطا کریں گے اور آپ لوگوں کی امیدیں پوری ہوں گی۔ پھر اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزرا ایک تیسری جماعت پر بھی ہوا۔ ان لوگوں کی حالت اور کیفیت پہلے دونوں گروہوں سے زیادہ غیر تھی۔ یہ لوگ ہر طرح سے زیادہ قابلِ رحم تھے جب ان لوگوں سے ان کی حالت اور کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوقِ دید میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ”آپ لوگ صحیح معنوں میں اللہ کے مقرب ہیں۔“ آپ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔

روایت ہے کہ ایک بزرگ

**عبادت گزار اور مرادیں :** نے فرمایا کہ : قیامت کے دن اللہ کے نیک بندوں کی جماعت سب سے جدا گانہ ہوگی۔ یہ بڑی جماعت پھر تین حصوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ پہلی جماعت کے گروہ سے اللہ تعالیٰ ان کی دنیاوی عبادت کے بارے میں استغفار فرمائیں گے۔ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اے اللہ ہم نے تیری عبادت تیری بنائی ہوئی اور نوید ستائی ہوئی جنت کے سنے کی ہے ہم جنت اور ان کی نعمتوں کے طالب رہے ہیں۔ ان کے جواب پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ ہم نے تمہاری دعاؤں کو قبول کر لیا ہے اور تمہیں جنت بھی بخش دی ہے۔ اور اس پر مستزاد اپنے فضل سے تمہیں جہنم سے بھی آزاد کر دیا ہے۔

پھر عبادت گزاروں کا دوسرا گروہ سامنے ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس گروہ کے لوگوں سے ان کی عبادت کا مدعا دریافت فرمائیں گے۔ وہ لوگ عرض کریں گے کہ ہم دوزخ کی آگ سے پناہ مانگنے کی خاطر عبادتِ الہی میں مشغول و مصروف رہے۔ اس پر بھی ارشادِ باری ہوگا کہ ”اے میرے بندو! میں نے آپ لوگوں کو جہنم کے عذاب سے محفوظ کر لیا اور اس پر مستزاد اپنے فضل و کرم سے آپ لوگوں کو جنت اور اس کی تمام نعمتوں سے



بھی فیص یاب کر دیا ہے ۔

ان دونوں عبادت گزار لوگوں کے گروہوں کے بعد ایک تیسرا گروہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں سے بھی عبادت اور عمل کے بارے میں پوچھیں گے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے کہ اے مولیٰ کریم ہم محض تیرے قرب و دیدار کی طلب میں عبادت کی سعی کرتے رہے۔ ہمیں بارگاہِ خداوندی میں حاضری مطلوب تھی ۔ ان لوگوں کے اس جواب پر اللہ جل شانہ، فرمائیں گے ”اے میرے عزیز بندو! تم سچ کہتے ہو کہ تم نے واقعی ایسا ہی کب اور اپنے فکر و عمل سے بھی یہی ثابت کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح تمہیں میرا شوق تھا مجھے بھی تمہارا شوق تھا۔“ اس فرمان کے ساتھ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ ان بندوں کے تمام حجابات ختم کر دیں گے۔ اور مرحلہ دید و دیدار طے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ”اے میرے دوستو! میرے طالبو! تم پر اللہ کی جانب سے سلامتی ہو۔ اب میں مدام تمہارے ساتھ ہوں۔ قسم ہے مجھے عز و جاہ کی کہ یہ کائنات اور دونوں جہاں میں نے تمہارے لئے پیدا کئے ہیں۔ اب تمہیں وہ تمام نعمتیں ملیں گی جن کی تم لوگوں نے کبھی خواہش اور آرزو بھی نہیں کی تھی۔ اب اطمینانِ قلب، سکون و راحت، روح، مسرتیں، لذتیں اور خوشیاں تمہارے لئے مدام کر دی گئی ہیں۔“ لیکن اللہ کے ان بندوں کو لذت دیدار الہی سے بڑھ کر کوئی نعمت اپنی جانب مائل نہیں کر سکے گی حالانکہ ان نعمتوں کا ایک ذرہ بھی اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے پوری کائنات پر فائق ہوگا۔

حضرت سیدی بن معاذ رازیؒ

ہر عابد اپنے معبود کے ساتھ : فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ متادی کرے گا کہ اے گروہ انسانی دنیا میں تم نے جس جس معبود کو چاہا اب بھی ان کے ساتھ ہی مل جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی اللہ کے سوا دنیا کے تمام اور ہر طرح کے معبود حاضر کر دیئے جائیں گے ہر

طالب قدرتی طور پر اپنے مطلوب کے تعاقب میں چلنے لگے گا۔ یہ تمام باطل معبود اپنے پیروکاروں کو لے کر نارِ جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اتَّكُمُوا مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (بے شک تم لوگوں نے میری عبادت میں جس طرح شرک کیا اور ان غیر اللہ کو اپنے پروردگار کا شریک ٹھہرایا تو ان ہی کے ہمراہ نارِ جہنم میں جاؤ۔ تم جہنم کا ابدی من بن جاؤ گے۔)

باطل معبودوں کی پرچا کرنے والوں کے بعد نیک اور عبادت گزار لوگوں کی ٹولیاں اپنے اپنے اعمال کی پیروی میں جنت میں جائیں گے جیسے کہ ارشادِ الہی ہے کہ "وَسَيُتْلَىٰ ذِكْرُ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا" (اور اللہ تعالیٰ کو چاہئے والے لوگ جو متقی ہوں گے وہ اپنے ربِّ کریم کے فضل سے جنت کی جانب کئی زمروں اور گروہوں کی صورت میں چلائے جائیں گے۔)

ایک آخری گروہ اہل اللہ کا ہوگا۔ یہ عالی ہمت لوگوں کا گروہ ہوگا۔ ارشاد ہوگا کہ اے اللہ کے چاہنے والو تم اپنے مطلوب کی جانب جاؤ۔ لیکن بتاؤ تو یہی وہ تمہارا معبود ہے کون! یہ گروہ عظیم تباہے گا کہ ہمارا مطلوب و معبود کسی تپڑ و مثال سے ماوریٰ اور مبرا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے ان طالبینِ حق کے دل کی کیفیت سے آگاہ ہو کر اپنے تمام حجاب دور کر کے دعوتِ دیدار دیں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہوگا "اے میرے مقرب بندو آج میرا دیدار کرو کیونکہ یہی تمہارے ساتھ میرے وعدے کا دن ہے" اسی حوالے سے فرمانِ الہی ہے کہ "وَجُودٌ يَوْمَ مِثْذِ نَاصِرَةٍ اِلٰى سَرَبِّهَا نَاصِرَةٌ" (اس روز کئی چہرے خوش و خرم ہوں گے اور وہ اپنے رب کا بھی نظارہ کریں گے۔)



حضرت ثابت ابنانی

**عبادت میں اضافہ لمجا ط شوق :** اور حضرت مالک ابن دینارؒ ایک بار

حضرت رابعہ بصریؒ کے یہاں تشریف لے گئے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے حضرت مالک بن دینارؒ سے پوچھا کہ آپ عبادت کس لئے کرتے ہیں؟ مالک نے بتایا کہ جنت کے حصول کی خاطر۔ پھر یہی سوال حضرت ثابت بنانی سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ دوزخ کے خوف سے وہ عبادت کرتے ہیں؟

حضرت رابعہ بصریؒ نے ان جوابات پر فرمایا کہ ”مجھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس کی عبادت جنت حاصل کرنے کی خاطر یا دوزخ سے بچنے کے لئے کروں۔ یہ عبادت نہ مزدور کی مزدوری کی طرح اور نہ آقا کے غلام کی طرح ہے۔ یعنی مزدور صرف مزدوری حاصل کرنے کی غرض سے کام کرتا ہے اور غلام اپنے آقا کی قید میں ہونے کے حوالے سے ڈر کے تحت کام کرتا ہے۔“ اس پر ان دونوں بزرگوں نے وہی عبادت کا سوال حضرت رابعہ بصریؒ سے کیا تو عابد رابعہ نے بتایا کہ ”اللہ کی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی عبادت کسی شرط یا حصول مقصد کے بغیر کی جائے۔ اس عبادت کو کسی طرح کے لالچ کی آسائش سے پاک رکھا جائے اور شوق کے مطابق اپنی عبادت میں اضافہ کیا جائے۔ یہی عبادت حق کا طریقہ ہے۔“

حضرت ذوالنون مہریؒ

**عالی ہمتی کی انتہا صرف اللہ :** نے فرمایا کہ ”عالی ہمت لوگ وہ ہوتے

ہیں جو اپنے پروردگار سے ٹوٹ کر غیب اللہ سے بے کاتہ و بے خبر ہو جاتے ہیں۔“ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے حضرت محمد بن واسعؒ سے ان کی بلند ہمتی کا مقصود و منشا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ لا محمد و جنت ہے۔ اس پر ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا کہ



”ہماری عالی ہمتی کا مقصود خالق کے بجائے اس کی مخلوق ہو، یہ ہمیں زیب نہیں دیتا۔ اے کاش اللہ تعالیٰ اس جہنم اور جنت کا تصور ہی ختم کر دے تاکہ بندہ یکسو ہو کہ صرف اور صرف اپنی عالی ہمتی کی انتہا اللہ ہی کو بنا سکے۔“

ایک شخص نے حضرت ابو العلابین زیادؓ کو اپنا

**نعمت حق**؛ خواب سنایا کہ ابو العلابین زیاد جنتی ہیں۔ اس وقت ابو العلابین مسجد میں موجود تھے۔ اس خوشخبری کو سُن کر وہ خوش ہونے کے بجائے زار و قطار رونے لگے اور پھر فرمایا کہ اے میرے قیر خواہ عزیز! مجھے اللہ کی اس نعمت سے محروم رکھنے کی کوشش نہ کریں کہ جس کے لئے میں مسامحی کر رہا ہوں۔ مجھے نعمت حق کی طلب ہے اور میں جنت کے لالچ میں اس طلب کی نعمت سے دُور نہیں جانا چاہتا۔ جب کسی کو حق کی معرفت مل جائے تو پھر وہ کہیں اور نہیں جاسکتا۔ بقول حضرت رابعہ مصریؒ وہ تیس سال تک روتی رہیں۔ دس سال اللہ تعالیٰ کے خوف اور ہمدیت سے، دس سال اپنے پروردگار کی راہ میں اور پھر دس سال اسی پروردگار کے شوق و طلب میں۔

ایک بار جب حضرت ذوالنون مصریؒ وعظ فرما رہے تھے تو جہنم اور جنت کے ذکر سے سامعین زار و قطار رو رہے تھے لیکن ایک مرد حق اس وقت مسکراتے رہے تھے۔ وعظ کے بعد حضرت ذوالنون مصریؒ نے اس فوجوان سے ہنسنے اور مسکرانے کا باعث پوچھا اور کہا کہ کیا تجھے دوزخ کا ڈر نہیں ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے اس سوال پر اس شخص نے جو عادت تھا کچھ شعر پڑھے۔ ”گو یا تم لوگوں نے عبادت الہی کو صرف دُفع کی آگ سے بچنے کے لئے اپنا رکھا ہے اور اپنی عبادت کا مدعا دوزخ سے بچ جانے ہی کو سمجھ لیا ہے۔ اور اسی طرح جنت کے ذکر سے تم لوگ جنت کی نعمتوں اور دہاں کی لذتوں اور فیاضیوں کے متمنی ہو۔ لیکن ہمیں تو کسی جنت کی طلب و آرزو نہیں ہے کیا جنت کسی محبوب و مطلوب کا بدل ہو سکتی ہے۔“

## باب - ۵

# عارفوں کی ہمت اور اللہ کی معرفت

حضرت ابو القاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں :

اے عالی ہمت اللہ والو! میری بات غور اور توجہ سے سُن۔ یہ عالی ہمتی اور اولوالعزمی ہے کہ دنیا طلب کرنے والوں کو دنیا دے دی جائے اور جو عقبیٰ کے طالب ہیں ان کے سپرد عقبیٰ کر دی جائے جو لوگ اللہ تعالیٰ کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔ ایسے طالبانِ حق کو اگر اللہ تعالیٰ جہنم میں بھی ڈال کر عذاب الیم میں مبتلا کر دیں تو وہ اللہ سے دوزخ کی پناہ نہیں مانگیں گے بلکہ وہ تو اپنے رب ہی کے طلب گار رہیں گے۔ وہ اپنا ہر طرح کا سکون اللہ تعالیٰ سے وابستگی ہی میں طلب کرتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے پروردگار کے بدلے میں ہرگز دنیا یا عقبیٰ قبول نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ہمیشہ بلند اور حوصلے پختہ ہوتے ہیں۔

اللہ کے طالبوں کو اگر جنت اپنی تمام تر

جنت کی رعنائیاں، رعنائیوں، رفعتوں، نعمتوں اور بشارتوں کے ساتھ بھی

دے دی جائے تو وہ اپنے پروردگار کے بدلے میں اسے حقیر سمجھتے ہیں۔ اس کائنات اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے اسے بھی وہ اپنے رب اور محبوب کے بجائے خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ ان لوگوں کی بلند ہمتی اور اللہ سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔



رَبِّ الْعَرْشِ اِیْنِے عَالِی مَعْلٰی

**حضرت ابراہیمؑ اور آتشِ مُرُود** لوگوں کی مثال دیتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ

علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی آگ میں جلنے کا قطعاً کوئی ڈر خوف نہیں تھا۔ کیونکہ جب مُرود نے انہیں آگ میں پھینکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ سے کسی عقوقیت یا ایذا کے بجائے راحت و سکون میسر آیا تھا۔ انہیں اس آگ میں سے بھی لذتِ الہی نصیب ہوئی تھی۔ ان کی آگ میں پڑنے سے ملنے والی لذت کسی جنتی کی راحتِ مُرود سے بھی زیادہ سکون بخش تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے دوست تھے، وہ عشقِ الہی میں سب کچھ بھول چکے تھے۔ اسی لئے انہیں مُرود کی آگ اور اس کی المناک تشپش اور جلن کی بھی کوئی پرواہ نہ تھی۔

جس عاشقِ الہی کا دل و جان پہلے ہی اپنے پروردگار کے عشق اور طلب میں سوختہ ہو چکے تھے۔ اس لئے ان پر بھلا آتشِ مُرود کیا اثر کر سکتی تھی۔ کسی جلے ہوئے کو آگ کیا جلانے گی۔ ایسی صورت میں تو آگ کو خود یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ وہ خود بُرودت میں تبدیل ہو جائے گی۔ حالانکہ آگ کا وصف و فعل جلانا ہے لیکن پہلے سے سوختہ لوگوں کو جلانے کے لئے آگ خود ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو معرفتِ الہی اور آتشِ عشقِ حقیقی سے پہلے ہی آتشِ مُرود سے کہیں بڑی آگ کا مزہ چکھ چکے تھے انہیں بھلا یہ مُرود کی آگ کیا کہہ سکتی تھی۔ اسی آتشِ حقیقی کے باعث آتشِ مُرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے معذوری کا عملی اظہار کر دیا تھا۔ اس طرح اپنی انہی صفت کے برعکس غالب آنے کے بجائے مغلوب ہونا قبول اور پسند کر لیا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عشقِ حقیقی کی آگ میں جل کر ہر طرح کی آتش سے بلند و بالا ہو چکے تھے۔ اسی موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا تھا کہ ”يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰی اِبْرٰهٖمَ“ اے آگ تیرا کام اور صفت اگرچہ



جلانا ہے لیکن ثواب اس قدر سرد اور ٹھنڈی ہو جا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تو سلامتی بن جائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حکم نورِ مومن اور نارِ جہنم کے ساتھ، اپنے دوست اور طالبِ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمود کی بھڑکائی ہوئی آگ کو ایذا رسانی کے بجائے برودت میں بدل کر باعثِ سلامتی اور سکون بنا دیا تھا۔ لہذا اس نمودی آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا اور نہ عقوبت اور اذیت ہی پہنچائی بلکہ جلانے کے بجائے ٹھنڈک اور برودت بخشی اور ایذا اور جلن کے بجائے سکون اور سلامتی بلکہ راحت بخشی۔ اسی پس منظر میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ کے بندے جو عشقِ الہی کی آگ میں جل چکے ہوں گے، وہ اس دہشت ناک اور نہایت نازک واسطے بارائے سے گزر رہے ہوں گے تو اس وقت المناک آگ دالا دوزخ پکار اٹھے گا کہ اے مومن بندو! یہاں سے ٹھٹھٹ میں گزر جاؤ کیونکہ تمہارے اندر موجود نورِ الہی کے باعث میری نارِ جہنم ٹھنڈی ہوئے جا رہی ہے۔ یہ کسی مومن کو جلانے کا بھلا کیا سوتج سکتا ہوں بلکہ مجھے تو اس مومن کی موجودگی میں اپنی آگ ماند پڑنے کا خدشہ ہے۔

حدیثِ نبویؐ میں ہے کہ نمود حکمران نے جب اپنے خداؤں کو خوش کرنے کی خاطر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلیٰ حق سے بچنے کے لئے انہیں کئی دتوں تک جلائی اور بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈالنے کا اپنے کاہنوں کو حکم دیا تو اس پر اللہ کا پیغمبر اور دوست الہی بجائے کسی خوف و دہشت میں مبتلا ہونے کے زیادہ خوش اور ہتاش ہوا۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "اے باطل کے پرستار تو نے اپنے باطل اور کاذب معبودوں کو خوش کرنے کی خاطر جو آگ بھڑکائی ہے وہ

بہت حقیر اور کمزور ہے۔ میرے معبودِ حقیقی نے میرے اندر جو آتشِ عشقِ حقیقی بھڑکا رکھی ہے اس کے مقابلے میں تمہاری یہ آگ بالکل بے بس ہے، تمہاری یہ آگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ میرے لئے میرا مالک اور معبودِ حقیقی ہی کافی ہے۔ وہی میرا حامی اور مددگار ہے۔ اس کی موجودگی میں مجھے آگ یا اس کی پیش کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تم اپنے باطل خداؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنا عمل کرو۔ اور میرا معبودِ حقیقی مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ مجھ سے غافل نہیں ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ  
عارف کے لئے دوزخ کی حقیقت : رازی نے ایک بار فرمایا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی طلب اور معرفت میں نارِ جہنم میں بھی ڈال دے تو جہنم میرے لئے جنت سے بہتر اور افضل ہو گا۔“ لوگوں نے دریافت کیا کہ اس میں کیا نقطہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ نارِ جہنم کا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نارِ جہنم بے ضرر ہو جاتی ہے بلکہ اس میں معرفتِ الہی کی ایک لذت ہوتی ہے اور عارف اس لذت کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جانا چاہتا۔ اہل معرفت کی عالی ہمتی کے باعث وہ دوزخ بچانے تکلیف کے آرام اور سکون کا مقام بن جاتا ہے۔“ مزید فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام آغاز میں تو جنت میں ہی تھے۔ لیکن یہ جنت ان کے لئے سکون کے بجائے باعثِ آزار بن گئی تھی۔ اس جنت کی حیثیت ان کے لئے قید خانے کی سی ہو گئی تھی لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ انہیں دنیا میں لانا تھا تو جنت کو بھی قید خانہ بنا دیا ایسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتشِ فردوس بردوت بن کر باعثِ سکون و راحت ہو گئی تھی۔

حضرت ابو بکر واسطی کا فرمانا ہے کہ عارف کے لئے دوزخ میں بھی سکون اور راحت ہے۔ اس لئے کہ اہل معرفت اپنی معرفت کے باعث دوزخ میں خوش و خرم رہ سکتے ہیں۔



اہل جنت اپنے اعمال کے پیش نظر جنت سے لطف اندوز ہوں گے لیکن اہل معرفت تو دوزخ میں بھی اپنی معرفت کے باعث تسکین سے رہیں گے۔ معرفت الہی کا یہی امتیاز ہے کہ یہ دوزخ کو بھی اپنے عارفوں کے لئے ذریعہ سکون و راحت بنا دیتی ہے۔

شیخ ابوالاسحاق سبختانی فرماتے ہیں کہ مردِ حق اور اللہ کے عارف نارِ جہنم کے اندر بھی اپنے پروردگار ہی سے محبت کرتے ہیں۔ انہیں دوزخ کی آگ بھی ان کے مولیٰ سے دور نہیں رکھ سکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جہنم واصل کرتے ہیں جو اسے ترک کر کے باطل معبود بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں ہی کے لئے ارشادِ باری ہے کہ: فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا (پس آج کے دن تم لوگ دوزخ ہی کا مزہ چکھو کیونکہ تم نے اللہ کو بھلا رکھا تھا۔)

**رضائے الہی:** اپنی التجا اور دعا میں فرمایا تھا کہ اے میرے معبود حقیقی تو میرے حال کو خوب جانتا ہے کہ میرے نزدیک اب جنت اور اس کی فضیلتیں اور نعمتیں مجھ کے پیہ کی اہمیت اور وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ بارِ الہا تو نے مجھے اپنی معرفت سے سرفراز رکھا ہے۔ اب تمہاری محبت میرے دل میں اس قدر شدت سے موجزن اور جلوہ گر ہے کہ میرا ہر عمل اور میرا غور و فکر سب تمہارے ہی لئے اور تیری ہی طلب میں ہے۔ میں جنت کے مقابلے میں تیری عبادت اور خوشنودی کو قبول کرتا ہوں۔ اگر میں عبادتِ الہی کے بجائے جنت قبول کروں تو یہ بشری اور بدنی ضرورت ہوگی لیکن میں تو عبادتِ حق میں معرفتِ الہی کی جانب سفر کرتا رہوں گا۔ کیونکہ اے میرے پروردگار معرفتِ الہی کی راہ میں کوئی لاپرواہ نہیں ہوتا اس میں صرف رضائے الہی ہوتی ہے اور بندہ اس رضائے الہی کے سامنے مرگڑوں ہوتا ہے۔



حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ - اگر اللہ تعالیٰ جنت اور جہنم میں انتخاب کا مجھے اختیار دیں تو میں جہنم کو خوشی قبول کر لوں گا۔ اور میری عرض ہوگی کہ اے پروردگار تمام اہل جہنم کے بجائے مجھ اکیلے ہی کو اس جہنم میں ڈال دے۔ اور اس کے بجائے اہل جہنم کو جنت عطا فرما دے تمام انسانوں کے عذابوں کا بوجھ مجھ پر ڈال دے، میں اس بوجھ کو خوشی اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ اے رب جلیل میں نے اپنے دل سے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اے قدرت و لے خدا اس حالت میں صرف اور صرف میری زبان کو قوت دکر الہی سے فیض یاب رکھ تاکہ میرا دل تیری معرفت سے خالی نہ ہونے پائے۔

اس خاص بیان کے زمرے میں حضرت عبداللہ بن عزیز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ سے کئی بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ خواب کے عالم میں قیامت قائم ہوگئی ہے۔ میری التجا اور دعا کے مطابق منادی کی گئی کہ عبداللہ کہاں ہے اور کیا اسے اپنا وعدہ اور بیان یاد ہے۔ اس پر میں نے برملا ایک بار پھر اپنے اسی وعدے اور بیان پر قائم رہتے ہوئے اقرار کیا کہ بنی نوع انسان کے بارے میں مجھ اکیلے ہی کو دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ پھر منادی نے کہا کہ اب تمہارا پھر ایک امتحان لیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی دوزخ کی ہیبت اور دہشت کی ادیت چکھانے کے لئے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا۔ مجھ پر شدید دہشت اور ہیبت طاری ہوئی لیکن پھر بھی میں اپنے وعدے پر قائم رہا اور پھر عالم خواب منقطع ہو گیا۔

بعض علماء کے نزدیک معرفت الہی اصل

**معرفت کا چشمہ فیض !** میں ایک پر عظمت چشمہ فیض ہے۔ طالبان حق کو اگر اس چشمہ فیض سے ایک کاسہ نصیب ہو جائے تو پھر اسے دنیا یا عقبی کی کسی شے کی ضرورت نہیں چشمہ فیض سے حاصل ہونے والا کاسہ اپنا اثر اور لذت ابد تک قائم اور برقرار رکھتا ہے۔

اللہ کا جو بندہ معرفت کے اس چشمہ فیض سے ایک پیالہ پی لیتا ہے وہ اس دنیا اور عقبیٰ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جنت کی سکونت اور جنت کی نعمتیں بھی اس کے سامنے بیچ ہوتی ہیں۔ جنت کی بشارتیں بھی اسے نہیں لپکتیں۔ ان نعمتوں سے کنارہ کش ہونے کے ساتھ ساتھ معرفت کے چشمہ فیض سے پیالہ نوش جان کرنے کے بعد وصال محبوب کے بجائے اپنی کمتری کے باعث دوزخ کو بخوشی قبول کر لیتا ہے اور اس کی ہمت جس قدر عالی ہوگی وہ اسی قدر زیادہ دوزخ کو قبول کرے گا تاکہ وہ اپنے خدا کے روبرو شرمندگی سے بچ سکے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ابھی خدا سے وصال کے لائق نہیں تو تا دیر دوزخ کے المناک عذاب برداشت کرتا رہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے روایت

**معرفت پانے والے:** ہے کہ وہ التجا کر رہے تھے کہ: اے میرے پروردگار لوگ تجھے پا کر بھی تجھ سے دُور کیوں ہو جاتے ہیں۔ انہیں تیری ذات کے قرب کے سوا کہیں اور کیا مل سکتا ہے اس پر ارشادِ باری ہوا کہ "اے موسیٰ! صورت ایسی نہیں ہے۔ اصل میں جو ایک بار میری طرف آ جاتا ہے وہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتا۔ مجھ تک جو پہنچ جاتا ہے وہ کبھی مٹہ نہیں موڑتا۔ اور جو لوگ میری راہ سے ہٹ جاتے ہیں وہ تو راستے ہی سے مُڑ جاتے ہیں۔ انہیں مجھے پا کر مٹہ موڑنے والے نہیں کہا جاسکتا۔ اور جو راستے سے نہ پلٹا اور استقامت سے عالی ہمت کے ساتھ دُعا رہا پھر وہ واپس نہ ہو سکا۔

حدیث میں بیان ہے کہ ایک بار حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکٹھے کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس امر کا اقرار کیا کہ آج ان سے ایک کبیرہ گناہ اس طرح ہوا ہے وہ چلتے ہیں کسی عورت سے مکر انگٹے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ تو میرے ساتھ تھے



لیکن یہ ہوا کیسے؟ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے وضاحت کی کہ ”میرا دل اور نظریں تو اللہ پر لگی ہوئی تھیں۔ میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ کی یاد اور طلب ایک ثنائیہ کے لئے بھی میرے دل سے محو ہو۔ اگر میں کہیں اور دل لگاتا تو بل بھر کے لئے بھی میرے قلب و جگر سے معرفت الہی کا گزرنہ ہوتا۔“ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ”اے یحییٰ بن زکریا! تمہیں یہ مقام و مرتبہ اور معرفت الہی مبارک ہو۔“

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

**اوصاف عارف؛** فرماتے ہیں کہ: اس دنیا اور عقیقہ و آخرت میں عارف

کی عالی ہمت سے افضل اور بڑی کوئی شے نہیں ہے۔ عارف اپنی ہمت میں بلند، ارادے میں پختہ اور یقین میں کامل ہوتا ہے۔ عارف مردِ کامل اور صاحبِ کمال ہوتا ہے۔ وہ دونوں جہانوں سے مادرِ لی اور بے نیاز ہوتا ہے۔ عارف سراپا مجسمہ روحانیت اور سرچشمہ خیر و برکت ہوتا ہے۔ اس کی بلند ہمتیں اسے بلند و بالا مقام پر فائز رکھتی ہیں۔ عارف میں شانِ قدوس اور اللہ کا نور موجود ہوتا ہے۔ عارف پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کھل کر اپنا اثر و اظہار دکھاتی ہیں۔ عارف اللہ کی امانت کو بحسن و خوبی ادا کرتا ہے۔ عارف عام خرد و شعور سے بلند اور ادراک کے کمال پر ہوتا ہے۔ عارف کے نزدیک بغیر اللہ کا وجود ہی شرک ہے۔ عارف اپنے مولیٰ سے مل کر معرفت حاصل کرتا ہے اور پھر اپنے وجود کو وجودِ باری تعالیٰ کے قرب کے دریا میں جا کر گم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عارف اپنا وجود باری تعالیٰ کے قرب کے بعد معدوم کر دیتا ہے۔ عارف کی یہی تہدیم ذات و وجود اسے عظمت بخش دیتی ہے۔



## عارفوں کا تحفظِ نفس

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے

صیانت اور طریقت : ہیں کہ :

اے طالبانِ حق ! طریقت اور صیانت نفس معرفت کے دو بڑے شعبے ہیں۔ یہ دونوں شعبے آپس میں مربوط بھی ہیں۔ بندے کی عبادت پر عادی بھی ہیں۔ ان دونوں کا تعلق حیا اور حرمت سے ہے۔ ان شعبوں کا مقصد بندہ مومن کے دل کو تمام علائق سے جدا کر کے اور ہر طرح کی الائشوں سے پاک اور منزہ کر کے راہِ حق میں لگانا ہے۔

صیانت کے معنی ہیں حفاظت اور تحفظ کے بعد کسی شے کو قلعہ بند اور محفوظ کر دینا۔ یہاں پر صیانت یہ ہوگی کہ عارف اپنی تمام تر احتیاجات اور ضرورتوں کے طمع سے اپنے آپ کو آزاد کرے۔ اس پر اپنے نفس کی بھرپور حفاظت کرے کسی سے کوئی غرض طلب نہ کرے۔ اس قلعہ بندی میں آنے کے بعد اگر وہ طلب کرے تو اللہ ہی کا طالب ہو۔ قربِ الہی اس کا مدعا و منشا ہے۔ پھر اس کی جو ضروریات یا حاجات ہوں گی، ان کا کُلّی ذمے دار اس کا اللہ جو اس کا مطلوب بھی ہے وہی ہو جائیگا۔

نفس کی اس قلعہ بندی کا ایک مقصد

نفس کی قلعہ بندی : تو یہ ہے کہ وہ خارجی اور دنیا و عقبیٰ کی حاجتوں اور

یورشوں سے محفوظ ہو جائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسے اپنے پروردگار کی جانب  
لو لگانے میں کوئی امر مانع نہ ہو، اور اپنے تمام دنیاوی اور اخروی امور اسی ذات  
باری کو تفویض کر دے جس کا وہ طالب ہے۔ اس حالت میں اگر اس پر کوئی آفت  
یا مصیبت آن پڑے تو اسے بھی دنیاوی انسانی سہاروں کی بیساکھیوں سے نہ متورک  
اور ٹامے۔ بلکہ اس کے لئے بھی اپنے محبوب پر چھوڑ دے کیونکہ وہ محبوب حقیقی  
احسن اور بہتر طور پر تبخیر اور علیم ہے کہ اس کا بندہ کس حال میں اور کہاں ہے۔  
عارف وہ ہے جو اپنے سوال کو دل میں بھی نہ لائے اور زبان سے بھی اس  
کا اظہار نہ کرے۔ کسی زعم کے بھرتے پر اپنے پروردگار کا شاکی بھی نہ ہو اور  
کبھی طرح کا عملی احتجاج بھی نہ کرے۔ عارف وہ ہے اگر اس کا سوال ہو بھی تو وہ فرغ  
اور صرف طلب حق ہی طلب ہے۔ عارف کی طلب، دعا اور سوال صرف وصال حق اور  
دیدار الہی ہی ہوتا ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سوال کرتے سے بچنا؛ ہے کہ ”کون ہے جو میری بات مانے، ایسے شخص

کے لئے میں رضوان اکبر یعنی اللہ کی بڑی رضا کی توفیق اور خوش خبری دیتا ہوں ؟  
اس وقت حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے زیادہ قریب تھے۔ لہذا انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
ارشاد کو مانتے ہوئے کہا کہ ”بندہ اس امر کو ماننے کے لئے دل و جان سے تیار  
ہے۔“ پھر نبی عالی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”کبھی کوئی شخص  
کسی شخص سے طلب نہ کرو۔“

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے کسی انسان سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا اور کسی سے کبھی کوئی غرض یا مطلب والیتہ



نہیں رکھا۔ گھوڑے کی سواری کے دوران میں اگر برسرِ هجوم بھی ان کا چابک یا پھڑی گر جاتی تو وہ کسی سے سوال کر کے چابک نہ لیتے۔

متعدد عارفوں کے بارے میں بیان ملتے

**محتاج سے طلب :** میں کہ بعض صاحبانِ جاہ و منصب اور اصحابِ مال و متاع جب کبھی اللہ کے عارفوں سے ان کی حاجت اس نقطہ نظر سے پوچھتے کہ حاجت رسانی کریں۔ اس صورت میں عارف جواب دیتے کہ ”اے صاحبِ بے جاہ و منصب اور اہلِ دُول ہمیں تو اپنے پروردگار اور بادشاہوں کے بادشاہ سے کچھ طلب کرتے اور سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہم اس خدا کے لایزال سے دنیاوی حاجتوں کو طلب کریں۔ کیونکہ وہی ہر شے پر قادر اور ہر چیز کا مالک ہے۔ لیکن ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی غیر اللہ سے کچھ مانگیں کہ جو خود کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ جب مالک حقیقی سے کچھ مانگنے سے ہمیں حیا آتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی محتاج سے ہم مانگیں مانگیں ؟“

حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے

**طرف سوال اور صیانت :** میں حکایت ہے کہ ایک آدمی نے آکر ان سے صرف نصیحت دینا رکھا سوال کیا، لیکن حضرت سفیان ثوریؒ نے انہیں پورا دینار دے دیا۔ جب اس عمل پر ان سے پوچھا گیا تو سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ”اس مانگنے والے کا اپنا ظرف اور عزت نفس تھی۔ اگر اس میں مانگنے اور طلب کرنے کا حوصلہ تھا تو میں کیوں اپنی عزت نفس کی پاسداری نہ کرتا۔ اگر اس سائل نے اپنے نفس کی حفاظت اور صیانت کو توڑ دیا تو میں کیوں بحال سے کام لوں۔“

ایک بار حضرت سفیان ثوریؒ

**عارف سائل بے نوا ہے :** چند افراد کی ایک جماعت کو اپنے ہمراہ



لے کر حضرت رابعہ بصریؒ کی خدمت میں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ عارفہ رابعہ بصریؒ کی صحت کمزور ہے اور وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت رابعہ بصریؒ سے کہا کہ ”آپ کا مقام و مرتبہ بڑا امتیازی اور بلند ہے۔ آپ کے معتقدین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ کسی سے اس صورت کا اظہار نہ کرنا حاجت روائی کروا لیجئے۔“ اس پر حضرت رابعہ بصریؒ نے نقاہت اور کمزوری کے باوجود یہ فرمایا کہ ”سفیان! مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں یہ میری جان ہے مجھے تو اپنے مالک و خالق سے بھی کچھ مانگتے اور سوال کرتے ہوئے لاج آتی ہے۔ میں تو اپنے اللہ سے اپنے قرب الہی کے سوا کبھی کوئی سوال نہیں کرتی۔ تو بھلا پھر میں کسی انسان سے کیوں کچھ طلب کروں، اور وہ بے چارہ انسان جس کے اختیار اور ملکیت میں کچھ بھی نہیں ہے، میں اس سے کیوں کسی چیز کا مطالبہ یا آرزو کروں۔“

پھر کچھ توقف کے بعد حضرت رابعہ بصریؒ نے مزید فرمایا کہ ”ہر صوفی عارف کے لئے لازم ہے کہ وہ رتبہ معرفت حاصل کر کے اس پر قائم رہے، اور اپنے نفس کی کڑی طبیعت اور حصانت کرے۔ اپنے نفس کی حصانت کو توڑ کر اپنے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کے سامنے ذلیل اور پست نہ ہونے دے۔ کسی عارف کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ اپنے اللہ کی موجودگی میں کسی غیر اللہ سے اپنی حاجات طلب کرے۔ بلکہ عارف تو اپنے اللہ کے سامنے بھی گدائے بے نواہی کی طرح ہوتا ہے۔“ آخر میں حضرت رابعہ بصریؒ نے سفیانؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”اے سفیان! تمہارے اس سوال پر اگر میں آپ کو پہچانتی نہ تو میں آپ کو اس مجلس سے بھی نکال دیتی۔“

روایت ہے کہ حضرت داؤد طائیؒ

**حصانت کی باریکیاں :** اپنی بیماری کی حالت میں اپنے جسد کے اندر ہی خاشاکی کے ساتھ گوشہ تنہائی میں بیٹھ گئے۔ وہ نہ تو اپنی بیماری کا کسی سے حال کہتے اور نہ

کسی سے کچھ طلب کرتے۔ لوگوں نے اس زمرے میں کچھ طلب کرنے کے بارے میں زور دیا۔ تو حضرت داؤد طائیؑ نے فرمایا کہ ”میرے لئے یہ بات بے حد تداومت اور قہر نہایت میں گرنے کی ہوگی کہ میرا مالک میرا پروردگار مجھے کسی دوسرے کے سامنے سائل کی صورت میں دیکھے۔ غیر اللہ سے سوال کرنا عارف کے شیوہ معرفت کے عین خلاف ہے۔ عارف کو یہ کسی بھی صورت زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ اپنی صیانت کی دیواروں میں تنگاف پڑنے دے۔“

لوگوں نے پھر عرض کی کہ اس مرحلے پر اپنی بیماری کے حوالے سے آپ اپنے اللہ سے تو دعا فرما سکتے ہیں نا! لیکن یہاں پر بھی حضرت داؤد طائیؑ نے بڑا مست جواب دیا کہ میرے لئے یہ بھی ناممکن اور محال ہے کہ اپنے اس رب سے دعا کروں کہ جس نے خود میرے اندر یہ بیماری پیدا کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے یہ مرض اپنے کمال لطف و کرم، مہربانی اور ظاہری و باطنی علوم کے باوجود بھی مجھے دیا ہے۔ تو میں اللہ کا کس طرح کا بندہ کہلاؤں گا کہ جو اللہ کے اختیار پر اپنی صحت کی خاطر اپنی مرضی حاصل کرتا ہوں۔ میں اپنے حال کے غم سے کس طرح شفا کی درخواست کروں کیونکہ یہ مرض اور بیماری اسی اللہ کے حکم سے ہے، میں اس حکم کو ٹھکنے کی خاطر کسی جیلے یا سہارے کو کام میں نہیں لانا چاہتا۔ بیماری عطا کرنا بھی پروردگار کا کام ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے اس کرم پر سراپا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس لائق سمجھ کر یہ کرم فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہے کو ہر طرح کی حمد و ثناء، زیبا ہے۔ بندوں پر صرف احکام الہی کی سجا آوری لازم ہے۔“

ملاقاتوں سے اس پر بھی نہ رہا گیا تو کہا کہ یا حضرت اس مرض میں آپ اپنے حجرے سے باہر آکر دھوپ ہی تاپ لیا کریں تاکہ جسم کو سکون ہی مل سکے۔ لوگوں کی اس تجویز اور خواہش پر بھی حضرت داؤد طائیؑ نے ایک بار پھر اپنی عالی ہمتی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اس طرح کے عمل سے بھی مجھے



شرم آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: یہ بندہ اپنے نفس کی آسودگی اور کون  
و خوشی کے لئے اب سورج اور مہوا کا سہارا حاصل کر رہا ہے۔ اور میرے نزدیک  
اس طرح کی جیلہ سازیاں بھی معرفت الہی کے اصولوں کے سراسر خلاف ہیں اور ہمیں  
اختیار کرنے والا اپنے محبوب و مطلوب کے ساتھ سچا اور وفادار نہیں ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ

سوال ہمت شکن ہوتا ہے : تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت

ابو عبد اللہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اس وقت حضرت ابو عبد اللہ کے پاس چاقو نما  
ایک تیز دھار والا پھوٹا سا آلہ تھا کہ جس سے کتابت شدہ الفاظ کو کھترج کر درست  
کیا جاتا تھا۔ چونکہ میری ایک کتاب میں کوئی لفظ غلط لکھا ہوا تھا اس لئے میری خواہش  
تھی کہ اس لفظ کو کھترج کر درست کر لیا جائے۔ لہذا اسی خیال سے میں نے وہ تیز دھار والا  
آلہ ابو عبد اللہ سے مانگ کر اپنی کتاب کا لفظ کھترج کیا تھا۔ جب حضرت امام حسین رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ چاقو نما آلہ واپس کر دیا تو حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ ”اے  
امام زماں، کسی سے سوال نہ کریں کہ سوال آدمی کو حقیقتاً نہ کر ذلت سے دو چار کر دیتا  
ہے اور سوال کرنے والا اپنی ہمت کی بلندی سے گرجاتا ہے۔“ گویا عارف اور اہل اللہ  
تو اس طرح سے معمولی سوالات کو بھی گوارہ نہیں کرتے۔

حضرت بہلول جو اپنی معرفت میں مجذوب

ہمت کا مقام عالی : اور مجنون ہو چکے تھے وہ کسی سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے۔

بھوک پیاس کے باعث وہ کتنی بھی مشکل میں ہوتے کسی سے سوال نہ کرتے۔ لوگوں نے  
کئی بار عرض کی کہ کوئی طلب ہو تو ارشاد فرما دیا کریں۔ لیکن بہلول اس طرح کی حرکت پسند  
نہ فرماتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ”سوال کرنے سے عارف کی ہمت میں پستی آتی ہے۔ اس  
کی جرأت بزدلی میں بدل جاتی ہے۔ اس کی قوت مدافعت کمزور پڑ جاتی ہے۔ ہمت عارف



یہی ہے کہ وہ اپنی ہر طرح کی طلب اپنے مولیٰ ہی سے وابستہ رکھے۔ اپنی تمام حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ابھی اپنے عارفوں کے تمام احوال سے باخبر ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمت کا یہی بلند مقام ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی سے کوئی سوال نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ تو عارف کی ہر حالت اور کیفیت کو بغیر سوال و طلب کے بھی جانتا ہے۔

حماد قرشی کا فرمانا ہے کہ  
**دنیاوی وسوسے اور خواہش :** ایک بار ادائیگی حج کے دوران میں نے ایک عمدہ سا رومال لیا۔ پھر اس رومال کے دو حصے کر کے ایک حصہ پہن لیا اور دوسرا حصہ اوڑھ لیا۔ پھر جب دوران حج میری ضروریات بڑھیں تو اس قیمتی رومال کے خریدنے کی طرف میرا دھیان گیا۔ اس گمان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے ایک ایسی دادی دکھائی کہ جو چاندی سے بھری ہوئی تھی۔ یہ چاندی اللہ کی جانب سے میرے لئے اشارہ تھا۔ اس اشارے پر میں بے حد پریشان ہوا اور اللہ کے حضور میں التجا کی کہ "یا زمین و آسمان کے مالک و خالق! مجھے صرف تیری ہی طلب درکار ہے۔ مجھے اپنی طلب سے باہر نہ فرما۔ مجھے اپنے عزیز دوستوں کے اسی گروہ میں شامل رکھ جو تجھ سے تیرے سوا کچھ طلب نہیں کرتے۔ مجھے تیری راہ روکنے والی ہر شے اور چیمیز سے گزر جانے کی ہمت عطا فرما۔ مجھے دنیاوی وسوسوں اور خواہشوں سے کلی طور پر پاک اور مُبرا کر دے۔ میں تیری ہی راہ میں تیرے ہی لئے آتا ہوں۔ تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ مجھے اپنی ملکیت ہی میں پناہ دے۔"

کسی نے حضرت حسن البواجرہؒ

حصانت، طریقت اور مروت! سے پوچھا کہ "اے حضرت آپ نے تیس سال کے عرصے میں حضرت ابو عبد اللہ سے کیا کسب فیض کیا اور کیا پایا؟" حضرت

حسن نے فرمایا کہ ”میں نے تین چیزیں سیکھیں۔ اول، صیانتِ نفس۔ دوم، طریقت اور سوم حسنِ اخلاق اور مودت و مروت۔ صیانتِ نفس یہ ہے کہ انسان سے کسی طرح کی طلب کی آس نہ لگائی جائے۔ اور طلب صرف اپنے پروردگار تک ہی رکھی جائے۔ اور اگر کوئی بن مانگے بھی پیش کر کے حاجت روائی کرے تو وہ بھی قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس سے بھی صیانتِ نفس میں کمزوری واقع ہوتی ہے۔ طریقت اور طریقہ عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی کچھ اور نہ طلب کیا جائے ماسوائے اس کے دیدار و قرب کے۔ اور حسنِ اخلاق اور مروت یہ ہے کہ قرب الہی کے مقابلے میں دونوں جہانوں کی تمام نعمتیں اور حصول پروردگار کی لگن کے سامنے حقیر اور پیچ ہیں۔“

ایک بار حضرت یحییٰ بن معاذ کی مجلس میں لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ تمام مجلس نے آپ سے وعظ فرمانے کی درخواست کی۔ اس فرمائش پر حضرت یحییٰ بن معاذؒ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اور آپ وعظ فرمانے لگے۔ ”اے حاضرینِ مجلس! میں نے خود آگ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے اور یہ آگ اپنی تپش سے ہمیشہ مجھے جلاتی اور تڑپاتی رہتی ہے۔ اس آگ نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ پھر میں اسی حالت میں اپنے مولیٰ اور پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ اے میرے رحیم و کریم خدا! مجھے اپنے دُرسے نہ ہٹا۔ میں اس آگ کی تپش اور جلن کے ساتھ اپنے آپ کو تیرے ہی حضورِ پیش کرے تا ہوں۔ مجھے اپنے قرب سے مُردہ نہ فرما۔“

حضرت یحییٰ بن معاذؒ ایک خاص

عارفِ آگ سے کھیلتا ہے، محویت کے ساتھ یہ وعظ فرما رہے تھے لیکن

اس سے سامعین بے حال ہو رہے تھے وہ زار زار رہے تھے۔ کئی سننے والوں نے اپنے کپڑے بھی پھاڑنے لگے۔ سامعین پر ایک عجیب جذباتی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے وعظ جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ”آج میں اسی آگ کے ساتھ



آپ لوگوں کے درمیان میں ہوں۔ اور میں آپ لوگوں کو استقامت پکڑنے اور صبر کی تلقین کرتا ہوں۔ اللہ ہی کا در سب سے بڑا اور سب کے لئے کھلا لیکن اس سے ہم کیا مانگتے ہیں۔ یہ مانگنے والے پر موقوف ہے۔ لیکن عارف اس در سے صرف اللہ ہی کو مانگتے ہیں۔“

بیان کیا جاتا ہے حضرت یحییٰ بن معاذؑ کے اس وعظ کے بعد سامعین میں کئی لوگ بے ہوش ہو چکے، کئی لوگوں نے اپنے گریبان چاک کر لئے تھے اور کئی تو راہی عدم ہو گئے تھے۔ اس وعظ کے بعد سامعین میں سے تیرہ مرد اور عورتیں وفات پا گئے تھے۔

ایک شخص نماز عصر ادا کرنے کے بعد اس

**حیا سے متعلق سوال؛** ارادے سے حضرت یازید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے گھر گیا کہ ان سے حیا سے متعلق سوال کرے۔ جب یہ شخص حضرت یازید بسطامیؒ کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو حضرت کے مصاحب خاص نے بتایا کہ اس وقت تو حضرت یازید بسطامی عبادت الہی میں مشغول ہیں، اس لئے وہ آپ سے نہیں مل سکے۔

لیکن سائل اندر جانا چاہتا تھا۔ پھر جب سائل اندر داخل ہوا تو اسے ہر طرف اور ہر جگہ پر حضرت یازید بسطامیؒ ہی کا وجود نظر آیا کہیں بیٹھے یا کھڑے ہونے کی جگہ باقی نہیں مٹی۔ اس پر وہ گھبراہٹ اور خوف زدہ ہو گیا، اور پھر اسی رقت واپس چلا گیا۔

اسی سائل نے اگلے دن پھر حضرت یازید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے در پر حاضری دی۔ دروازہ کھلا تو دیکھا کہ حضرت کا تمام وجود گلا ہوا ہے اور ایک خیال سا موجود ہے۔ سائل پھر رک سا گیا تو دیکھا کہ کمرے میں ایک خیال سا موجود ہے اور خیال حرکت کرنے لگا ہے۔ پھر اس شخص نے یہ بھی دیکھا کہ وہ خیال سے حرکت بھی کرنے لگا ہے۔ اس پر سائل گھبرا کر حیران ہوا لیکن حضرت کے مصاحب خاص نے بتایا کہ حضرت کی کیفیات سے آپ کے تمام سوالات کے جوابات مل جاتے ہیں۔



پہلے یہ کہ جب تمام مکان آپ ہی کے جسم سے پُر تھا تو وہ صرف کسی کو مشاہدہ کرنے کی حالت ہوتی ہے۔ دوسری جانب حیا کی ہوتی ہے اس میں جسم کبھی مبہوم سی شکل و صورت میں موجود ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اور تیسری حالت جو تو نے دیکھی وہ حالت خوف تھی۔“

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ہم ایک ایسی بے برگ و گیاہ وادی میں گزرے کہ جس میں ہمیں جلد ہی بے تحاشا بھوک اور پیاس نے بھی آیا۔ جی میں کئی طرح کے دساؤں پیدا ہوئے۔ یہ بھی جی میں آیا کہ کسی سے کچھ طلب کر کے حاصل کر لیا جائے لیکن یہ مانگنا عارف کے توکل علی اللہ اور حیانت نفس کے خلاف ہے۔ اس پر میرے نفس نے اس خواہش کا مطالبہ کیا کہ کیوں نہ اس حالت میں سوال کر کے اپنے اللہ ہی سے کچھ مانگ لیا جائے۔ لیکن یہ طلب بھی شیوہ معرفت میں کمزوری اور ناتوانی کی دلیل بن جاتی ہے۔ اس کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے پروردگار سے اس مرحلہ پر صبر و قرار اور سکون کی درخواست کی جائے۔ میری اس گوگو کی حالت اور کیفیت پر ہاتھ غیبی سے یہ آواز سنائی دی کہ ”جو ہمارا بن جاتا ہے۔ ہم اسے اس کی حاجت طلب کئے بغیر دیتے ہیں۔ جو ہماری راہ پر ہوگا اسے ہم نہ تو ضائع ہونے دیں گے اور نہ بھٹکنے کی ہی مہلت دیں گے۔ جو ہمارے لئے ہماری راہ میں آ جاتا ہے۔ اس لئے پھر ہم کافی ہو جاتے ہیں۔“

اس ارشاد پر حضرت ابوسعید اپنی حالت اور مقام کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ کے اصل راز اور حقیقت سے آشنا ہو گئے۔

## کلام معرفت کرنے والوں کے لئے

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

اے اہل اللہ یہ بات غور سے سُن لو اور اس پر  
عارفوں کی باتیں؛ تو جہ دو کہ جن لوگوں نے عارفوں کو دیکھا کہ ان کے کلام کو سنا  
 ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ معرفت کی یہ باتیں اور ارشادات برہے ہی معنی نہیں ہوتے ہیں۔  
 ان کے کئی پہلو اور بُعد ہوتے ہیں۔ ان باتوں میں ابلاغ و اظہار کی تیزی ہوتی ہے۔ وہ باتیں  
 براہ راست قلوب پر اثر کرتی ہیں۔ ان معرفت کی باتوں میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے متعدد  
 اشارے اور علامات ہوتی ہیں۔ عارفوں کے کلام میں متعدد اسرار و رموز ہوتے ہیں۔ وہ غور و فکر  
 سے لوگوں پر مشکف ہوتے ہیں۔ ایسی معرفت کی باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور عنایت  
 خاص ہی سے ہوتی ہیں۔ اور ان امور میں لامحالہ مشیتِ ایزدی شامل ہوتی ہے۔ اللہ کے جن  
 عارفوں کے دلوں پر کلام اللہ کی واردات ہوتی ہے وہی معرفت کے اسرار و رموز بیان کرتے  
 ہیں۔

پھر کسی دل کی واردات کو جاننا اور اس کی

منصب رسالت؛ کیفیت سے باخبر ہونا کہ وہ کس قدر محبت کے لائق ہے  
 یا نفرت کا حقدار ہے۔ اس کا تعلق صرف نبی اور رسول کے علم باطن سے واقفیت اور آگاہی  
 سے ہے۔ کوئی نبی یا رسول ہی کسی عارف کی باتوں کو صحیح مقام و مرتبہ دے کر اس کا تعین کر

مکتبہ ہے۔ اللہ کے تمام انبیاء اور رسول بھی بارگاہ رب العزت میں مختلف مناصب اور مراتب پر فائز ہیں اور یہ مراتب و مناصب کا فرق نبوت و رسالت کی قوت کے ساتھ ہے۔ گویا جو نبی یا رسول نبوت و رسالت کی قوت کا جس قدر مالک ہوگا۔ اسی قدر وہ علوم، رموز اور اسرار پر حاوی ہوگا۔

اللہ کے پیاروں اور جذبے میں سچے اور ہمتوں میں عالی لوگوں کو ہر طرح کا مقام و مرتبہ صرف قرب الہی ہی کے وسیلے سے ملتا ہے۔ ایسے اولوالعزم اور عالی ہمت عارفوں کو جس قدر قرب الہی حاصل ہوتا ہے اسی معیار اور سطح سے انہیں کشف بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ کشف کبھی کمال سے خالی نہیں ہوتا۔ کشف سے حالات و واقعات اور اللہ کے اسرار تفہیم حاصل کرتے ہیں۔ اور انہیں جسم ملتا ہے، گویا کشف قرب الہی سے مجسم ہو جاتے ہیں۔

پھر جو لوگ صاحب عقل ہیں، ان کی

**اصحاب عقل و خرد** : عقل و خرد کے بھی پیر اور قوت پر واز ہوتی ہے۔

ایسے لوگ اپنی قوت عقل و خرد کے باوصف حالات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو لوگ اپنی ہر طرح کی آگہی چشمہ توحید سے حاصل کرتے ہیں وہ صاحب عقل و خرد ہیں سے سب سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا کشف اور علم بھی چشمہ توحید میں سے ہوتا ہے۔ یہ لوگ تائید ایزدی سے اور تیز فہمی اور ذکاوت کے باعث اسرار الہی کو اپنے دائرہ آگہی میں لاتے ہیں۔ ان کی آگہی، کشف اور علم کا اصل منبع چشمہ توحید ہی ہوتا ہے۔ ان علوم الہیہ کو سن کر اور سمجھ کر عام لوگ بھٹک کر رہ جاتے ہیں۔

اصل میں تو یہی لوگ (اہل تقویٰ) ہوتے ہیں۔ معرفت کی زبان میں انہی لوگوں کو متقی کہا جاتا ہے۔

چشمہ واحدانیت سے حاصل

**عارف کے کلام کے قرینے** : ہونے والا علم عظیم ہوتا ہے۔ وہ باایں ہمہ

کلام الہی ہوتا ہے اور اس کلام الہی سے مانوس ہونے والوں کی محبت شدید ہوتی



ہے۔ محبت کی اس شدت میں لامحالہ پیش اور جگر سوزی بھی ہوتی ہے۔ یہی کلامِ الہی سے محبت اور وارفتگی ہی عارفوں کی آتش عشق ہوتی ہے۔ اس آتش عشقِ الہی سے عارفوں کو راحت و تسکین عیسر آتی ہے۔ اس حالت میں عارف کا کلام و ارشاد عارف کو بھی سکون و راحت بخشتا ہے۔ اور ماننے والوں پر بھی بجا طور پر اپنا اثر کرتا ہے۔ عارفوں کا کلام سامعین کی رنجوں اور قلب کو سکون و انبساط بخشتا ہے۔ اس لئے عارفوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے معتقدین کے ساتھ اسی معیار اور سطح کا کلام فرمائیں کہ جس کے وہ متحمل ہو سکیں۔ چونکہ عارف کے کلام میں بہت زیادہ قوتِ اثر ہوتی ہے اس لئے عارف کو چاہیے کہ وہ اپنے سامعین کے ظرف و طلب کے مطابق کلام کرے۔ معرفت کی دقیق باتیں اور اسرارِ لوگوں کی ہمت اور استطاعت کے مطابق ان پر بیان کرے۔ عارف کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ کلام کرے تو زبانِ حال اور لوگوں کی وضاحت کے مطابق بات کرے لیکن احتیاط و حدم کو اپنے ہر جملے اور پورے کلام میں ملحوظ رکھے۔

حضرت لیث مصریؒ کے ایک بھائی سکندرؒ

**اسرارِ کلامِ عارف :** میں رہتے تھے۔ ایک بار حضرت لیث مصریؒ ان کے پاس گئے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ اتنا عرصہ کہاں اور کیسے رہے؟ حضرت لیث مصریؒ کے بھائی نے فرمایا کہ ”میں تو اپنے اللہ اور اپنے پروردگار کی طلب میں مشغول تھا۔“ اس پر پوچھا گیا کہ تجھے اس قربت میں کیا ملا؟ جواب ملا کہ میں یہ بتانے سے عادی ہوں، اور اس پر وہ ایک خاص کیفیت میں گر کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر اسی اثنا میں حضرت لیث مصریؒ کے کانوں میں یہ آواز آنے لگی کہ ”اے لیث! کوئی بندہ خدا جب پورے عزم اور صدق کے ساتھ اپنے اللہ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر فیوض و برکات اور رحمتوں کی فرادانی فرما دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنے بندے کو وہ اعزاز اور انعام بخشتا ہے کہ انہیں صرف اہلِ دل اور صاحبِ حال ہی جان سکتے ہیں۔ ان فیوض و برکات

کا کوئی دوسرا شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام جو عارفوں پر مدام ہوتے رہتے ہیں کسی دوسرے پر ان کا انکشاف ہونا ناممکن بلکہ محال ہوتا ہے، اور یہی نہیں بلکہ اس عارف کے حواس و احساس بھی اللہ ہی کے تابع اللہ کی راہ میں لگے رہتے ہیں۔ اس عارف کے کان غیاث اللہ کی سماعت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کی آنکھیں اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔ اس عارف کی تمام تر استعدادیں اپنے اللہ ہی کے لئے وقف ہو جاتی ہیں اور پھر اللہ کے ایسے بندوں پر عجائبات الہی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اس حال کو پہنچا ہوا عارف جب کلام کرتا ہے تو اس کے کلام میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ کلام کی کمی پڑتی ہے اور جہتیں ہوتی ہیں۔ اس کا کلام گویا تیروں کی مانند مختلف نشانوں پر برستا ہے۔ ان عارفوں کے کلام سے کئی لوگ محض کلام ہی سے گھائل ہو جاتے ہیں۔ ایک عارف سے یہ سوال کیا گیا

**زبانِ قال اور زبانِ حال ؟ کہ** ”انسان کب خاموشی میں بھی پڑتا ہے اور

کب غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتا ہے اور کب غائب ہوتے ہوئے بھی انسانوں میں موجود ہوتا ہے۔“

عارف نے اس سوال کے جواب میں بتایا کہ ”جب عارف زبانِ قال سے خاموش ہوتا ہے تو وہ زبانِ حال میں گفتگو کرتا ہے۔ اس کی گفتگو حق کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ حق کے سوا کلام میں وہ گونگا ہو جاتا ہے۔ خاموشی کی گفتگو جو عارف کرتا ہے وہ زیادہ پُر اثر ہوتی ہے۔ اسی طرح جب عارف اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ قلب پر معرفت کی واردات شروع ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت وہ عارف غائب ہو جاتا ہے۔ غائب ہونے کے لئے بارگاہِ الہی میں اس کی حاضری ہو جاتی ہے۔“

”جب عارف کو اپنی وارداتِ قلبی کے دوران میں اللہ کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں تو وہ مردِ عارف بن جاتا ہے۔ اس صورت میں اس عارف کی زبان خاموش ہوتی



ہے لیکن اس کا حال ہی اس کی زبان بن جاتا ہے۔ جب عارف زبانِ حال میں کلام کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اس کی زبان حال زیادہ فصیح ہوتی ہے۔ اس عارف نے اپنے اسی بیان میں مزید اضافہ فرمایا کہ ”وہ عارف زیادہ وقیع اور معتبر ہوتا ہے کہ جب اس سے اس کے مطلوب یعنی اللہ کے بارے میں کچھ دریافت کیا جائے تو وہ اس امر کا جواب زبانِ حال یعنی بول کر دینے کے بجائے زبانِ حال سے اظہار کرے۔“

ایک عارف سے کسی نے دریافت کیا کہ ”آپ کس حال میں ہیں؟“ اس سوال پر اللہ کے عارف نے بتایا کہ ”اگر عارف اپنا حال بیان کر دے تو اس کی ہلاکت ہے، اور اگر وہ اپنا حال بیان نہ کرے تو اس خاموشی میں بھی اس کے لئے جسم و جان کو جلانا ہی ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ وہ جب بھی حال میں ہو اسی میں مشغول اور مست رہے۔“

اسی طرح جب اسی عارف سے اس کے اللہ اور معبود کے بارے میں سوال کیا گیا تو عارف نے بتایا کہ ”اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں عارف کو چاہئے کہ وہ زبانِ حال کے بجائے زبانِ حال ہی استعمال کرے۔ کیونکہ اپنے محبوب کے بارے میں عارف کی زبانِ حال ہی بہتر ہوتی ہے۔ اس زبانِ حال میں عارف کے لئے نہ تو ہلاکت ہے اور نہ پستی کا فخر ہے۔“

ایک عارف سے استفسار کیا گیا کہ آدمی کب

**عارف کا حال:** مقرب الہی بنتا ہے اور کس وقت وہ صاحبِ حال کہلاتا ہے۔

اس پر عارف نے بتایا کہ ”جو عارف اپنے حال پر راضی ہو اور جب اس پر حال طاری اور وارد ہو تو اسے ہی بخوشی قبول کرے۔ اس طرح جب وہ حال پر غالب آ جاتا ہے تو صاحبِ حال ہو جاتا ہے۔ یہی درجہ اسے اپنے اللہ کا مقرب بنا دیتا ہے۔ جس عارف پر حال وارد اور طاری ہو جاتا ہے وہ حال کی واردات کے تمام حجابات سے بچ جاتا ہے اور اس کا حال خوش حالی میں بدل جاتا ہے۔“

مزید بتایا گیا کہ ”اس درجے کا صاحبِ حال کئی اعلیٰ مناصب حاصل کر لیتا ہے تو



لوگوں کے احوال سے بھی آگاہ ہونے لگتا ہے۔ اس پر لوگوں کے ارادے اور نیتیں بھی عیاں رہتی ہیں۔ ساری مخلوق اس کی نظر میں ہوتی ہے۔ مخلوق اور اس کے اعمال و اوصاف اور ارادے اس سے پوشیدہ نہیں رہتے۔ عارف مخلوق میں سے ہر شخص کی ہمت اور عزم کو اس کی استطاعت انفرادی کے مطابق جاننے لگتا ہے، اور پھر ان لوگوں کی استعداد اور حوصلوں کے مطابق انہیں روکشی دیتا اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔“

حضرت ذوالنون مصریؒ نے بھی اسی کلام بقدر ظرف سامع : حوالے سے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ ”قوم کی رہنمائی کرنے کوئی عمدت اور رہنما ایسا نہیں ہوتا کہ جو اپنے کلام میں اپنی قوم کے افراد و اشخاص کی ذہنی قوت پر واز فہم و ادراک کو ملحوظ نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح جو عارف بھی ان انسانی ارادوں اور فہم و ادراک کو دھیان میں نہیں رکھتا وہ بعض اوقات افراد قوم کے لئے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے عارف کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ جب بھی معرفت کی باتیں اور عارفوں کا سا تکلم کرے تو اس میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لے۔ اسی طرح اگر عارف کو دنیا والوں اور صرف عقبی کے طالبوں کی محافل میں مجبوراً آیات کریمہ پڑھے تو وہ حتی الامکان بات اور کشف اسرار سے پرہیز بھی کرے اور اگر بات کرے تو اہل ہمت سے بات کرے اور یا پھر لوگوں کی فہم و ادراک کا دھیان رکھے اور ان کی استطاعت اور ظرف کو بھی اپنے کلام میں ہمہ وقت ملحوظ رکھے۔“

حضرت ابو یزید بطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اہل معرفت کی باتیں سننے کے لئے بھی بلند حوصلے اور بڑے ظرف کی ضرورت ہے۔ عارف کی بات سننے والا اگر اللہ کی معرفت سے واقف اور آگاہ ہو گا تو وہ زیادہ بہتر طور پر بیان سمجھ سکے گا۔ عارف کہ جو اپنے اپنے پروردگار کی راہ میں سچتہ اور عالی ہمت ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کلام میں وسعت پیدا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے عارفوں کو کلام کرنے کی

خاطر ہر طرح کی زبان عطا فرما دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کا عارف حسب موقع اور مخلصین کی استعداد و ادراک کے مطابق بات کرتا ہے۔ عارف کو شریعت، طریقت یا معرفت کی زبان میں کلام اور بات کرنے کی پوری دسترس ہوتی ہے۔ عارف زبان فقر بھی اپنا لیتا ہے اور محل کے مطابق جہاں ضرورت ہو زبان فقر سے بھی کام لے سکتا ہے۔ لیکن زبانوں پر اس قدر قدرت اور دسترس کے باوجود عارف اپنے خدا کے حضور بے نوا اور بے صدا ہی رہتا ہے۔ اللہ کے سامنے عارف کے تمام انداز اور اسالیب اور زبانیں ساکت ہو جاتی ہیں۔ وہاں پر وہ عبدِ مطلق سے عیدِ ساکت بے جانا ہے۔ دیارِ الہی میں عارف سراپا جستجو اور طلب بن کر حاضر ہوتا ہے۔ یہی عارف غائب ہونے کے باوجود حاضر ہوتے ہیں اور دنیا والوں میں حاضر ہوتے ہوئے بھی غائب ہوتے ہیں گفتگو اور کلام بھی اللہ کا دیا ہوا ایک تحفہ ہے۔ لیکن اس کلام کے بھی کچھ قرینے اور سلیقے ہوتے ہیں۔ عارف جب بندوں سے کلام کرتے ہیں تو وہ ان قرینوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ ان کا کلام بقدر ظرف و طلب ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی قدرت و استطاعت اور صلاحیت و طلب کو بھی سبجا طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ اپنے کلام میں وہ نہ تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی بخل کا اظہار کرتے ہیں۔ خلاصہً ان عارفوں کا کلام حسب قدرت و صلاحیت اور طلب کے مطابق ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کی جاتی ہے

**آداب گفتگو:** کہ انہوں نے بھی کلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”اے صاحب عقل لوگو! تم اپنے کلام میں اس ہمدرد اور نندرستی کے طالبِ طیب کی مانند ہو جاؤ کہ جو ہر مرض میں مریض کے مزاج اور طبیعت کے مطابق شافی دوا میں بھی دیتا ہے اور کچھ ضروری پرہیز بھی تجویز کرتا ہے۔ عقل مندی کی بات یہی ہے کہ کوئی بات کرتے سے پہلے یہ جان لو کہ کس طرح اور کس سطح کی بات کس کے ساتھ کی جا رہی ہے جس سے



بات کرنا مقصود ہے کیا وہ بات کی کتنے تک پہنچ سکے گا یا نہیں۔ کیا وہ تمہارا مخاطب تمہاری بات کو سمجھ بھی سکے گا کہ نہیں۔ اگر مخاطب سے اس کی قدرت اور استطاعت کے مطابق بات نہ کی جائے تو یہ سراسر ظلم ہوگا۔ اسی طرح ہر راز کو راز ہی رکھنا چاہیے۔ مزید فرمایا گیا کہ ”ہر گفتگو کے آداب اور قرینے ہوتے ہیں۔ گفتگو میں لفظوں کا استعمال اپنی قدر و قیمت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود کم کوئی بھی ایک نعمت ہے۔ جو جتنا زیادہ بولتا ہے اسی قدر زیادہ فرد گزاشت کرتا ہے۔ محظور لیکن بامقصد اور غور و خوض سے بولنا بدرجہا بہتر ہے۔ اسی طرح گفتگو موقع محل کی بھی پابند ہوتی ہے۔ بے موقع گفتگو اکارت جاتی ہے۔ بے سوچے سمجھے۔ بے موقع اور اپنے مخاطب کا خیال رکھے بغیر بولنے والا کلام کی روح سے عاری ہوتا ہے، اس کا اصل مقام گونگے، بہرے اور اندھے پن کا ہوتا ہے۔ اور ارشاد ہوا کہ ”جس طرح کلام میں لفظوں کی حرمت اور شوکت ہوتی ہے اسی طرح کلام کی بھی تکریم و توقیر ہوتی ہے۔ کلام کی تعظیم و تقدیس کو ملحوظ رکھنا گفتگو میں روح پیدا کرتا ہے۔ ہر طرح کے کلام میں مخاطب ہی محترم ہوتا ہے کیونکہ آپ کا کلام اور گفتگو، مخاطب کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے اس امر کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ کہ آپ کس سے مخاطب ہیں۔ اور پھر اسی مخاطب کے پیش نظر ہی انداز کلام اور اسلوب پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی گفتگو کے آداب میں سے ہے۔ اہل معرفت کے ساتھ گفتگو معرفت کے معیار پر ہو، اور راز کی ہمہ وقت حفاظت اور پاسداری کی جائے“

حضرت ذوالنون مہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان میں فرمایا جاتا ہے کہ ”میں نے بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران میں ایک مُشک فام کو دیکھا اور سُنّا کہ وہ طرف ایک ہی لفظ ”اَنْتَ، اَنْتَ“ (یعنی تو ہی ہے، تو ہی ہے) بار بار کہے جا رہا تھا۔ مجھے اس ایک ہی لفظ پر کیرید لگی اور میں نے اس شخص سے پوچھ لیا کہ اے مہبائی اس ایک ہی لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ میرے اس سوال پر اس جوان مُشک فام



نے بتایا کہ ”اے میرے دوست! دو محبت کرنے والوں کی باتیں ایک راز ہوتی ہیں۔ اور وہ راز ایک طرح کی امانت ہوتا ہے۔ راز کی باتوں کو فاش کرنا گستاخی اور بدعہدی ہے اور جس راز کے بیان کرنے میں زبان معذور ہو اسے قسط اس وقت لم کے ذریعے سے بھی فاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب ان محبت کرنے والوں میں ایک جانب انسان ہوتا ہے تو پھر اس پر اللہ کے راز اور اسرار خود بخود ایک مظہر کے طور پر ظاہر ہوتے لگتے ہیں۔“

اس پر میں نے کہا کہ مجھے بھی کچھ دکھائیے تو اس مشک نام شخص نے کہا کہ ”جو قلوب اپنے پروردگار کی جانب مائل ہو جاتے ہیں۔ اللہ انہیں اپنے متعدد راز تفویض فرما دیتا ہے اور یہ راز اس اللہ کی امانتیں ہیں۔ اور اللہ کے عارف ان امانتوں کے امین ہیں۔“

# اہل ہمت کے کلام کی فضیلت

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

اے اللہ والو! یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے

**اتصال و انفصال:** کہ اللہ والوں کے کلام کی فضیلت اور شرف و بزرگی بھی ان

لوگوں کی ہمتوں کے مطابق ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کے کلام میں امتیاز کرنے کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں ان امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ان میں اتصال و

انفصال کی حدود کیا ہیں اور کون سا کلام باعث اتصال ہے اور کون سا کلام باعث انفصال ہے

جو کلام ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب مائل کر دے اور اللہ کے قریب کر دے وہ باعث اتصال

ہے اور جو کلام اس کے برعکس اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث بنے نمرۃ انفصال میں آتا ہے۔

وہ کلام جو باعث اتصال ہوتا ہے اس سے بندوں میں دولت ایمان فروغ پاتی ہے۔

عمل میں کیسوئی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کے بندوں کے کامل اور مستحسن طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی جانب

ہجوع کی دلی اور روحانی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی خاطر ایقان و ارادہ

اور عزم میں سختگی پیدا ہوتی ہے کیونکہ معرفت الہی کامل ارادہ کے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی فضل ربی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ معرفت الہی اور وصل کی حقیقت

اسی وقت اپنا رنگ دکھا سکتی ہے کہ بندہ خود بھی ان مراحل کے تمام عوامل اور اسباب و علل

سے بخوبی آشنا ہو۔

معرفت الہی سے حاصل ہونے والے کمالات

**طلب کی موج لہریں :** اور فیوض ربانی اسی وقت حاصل ہوتے ہیں کہ جب

ان کے لئے روح و قلب میں اسرار کا ایک طوفان بنا ہو اور اس طوفان میں آوج ہو اور لہروں میں شدید موج پیدا ہو چکا ہو۔ کیونکہ یہی کیفیت ہی روح و قلب میں شدید ہيجان پیدا کرتی ہے۔ اس تفکرات میں جو کش و جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اضطراب کی موج لہریں موجزن ہو جاتی ہیں۔ ان موج لہروں کا جو اثر روح و قلب پر ہوتا ہے اسے بیان کرنا مشکل ہے۔ اس طرح بندہ اپنے پروردگار کے سوا ہر شے کو بھول جاتا ہے۔ ایسی کیفیت اور حالت میں اللہ کے بندے کو جو ایک نئی آگہی نصیب ہوتی ہے، اس کی موجودگی میں وہ اپنے اوپر وارد ہونے والی انبساط و لذت میں باقی تمام کیفیتوں کو بیکسر بھول جاتا ہے۔

اس حوالے سے اگر اللہ کا کوئی

**عارف کا کلام امانت الہی ہے :** بندہ دلوں کی طلب کی لہروں اور ہيجانی طوفانوں

میں تیزی اور تندی پیدا کر لے تو ایسے لوگوں کا کلام باعث اتصال الہی ہوگا۔ اس طرح کے کلام سے بندے پر کئی طرح کے اسرار اپنا کشف ظاہر کریں گے۔ ایسے صاحب کلام لوگوں کو اللہ عزت اور شرف بخشا ہے اور لوگ ان کے کلام سے عزت و ہمت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے اسے عارفوں کا کلام سننے والے لوگو! اللہ کے عارف جو عالی ہمت کلام فرماتے ہیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی جانب سے ولایت کیا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا کلام اللہ کی جانب سے ان کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اس لئے عارف اس امانت الہی کی صحیح معنوں میں حفاظت بھی کرتے ہیں اور پاسداری بھی کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے

**حکمت و دانش عارف :** ہیں کہ اللہ کے بندوں کے دل جو اپنے اللہ کی

طرف راغب ہو جاتے ہیں وہ دل بسجّ اللہ ہی کے ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں



پھر ان دلوں کی حفاظت اللہ تبارک و تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں۔ حضرت سحیبا بن معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں مختلف مقامات پر کئی لوگوں سے مل کر ان کے علوم اور کلام کو محسوس کیا اور سنا ہے۔ ان لوگوں کے کلام میں موجود حکمت و دانائی اور دانش کو بھی پرکھا ہے لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بعض لوگ علمی لحاظ سے بالکل کورے ہوتے ہیں، حکمت و دانش سے ان کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کی عقل و دانش بھی دوسروں ہی کے افکار و خیالات کی متقاضی اور مرہون منت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بھلا اپنے سننے والوں کو کیا روشنی بخش سکیں گے؟

اس کے برعکس اللہ کے وہ بندے کہ جو اپنی ہمت اور اولوالعزمی کے باعث اپنے علم و فہم کے لئے بھی اپنے اللہ کی جانب رجوع کئے ہوئے ہیں۔ اللہ ان کی بجا طور پر ہمت بڑھا دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ جب معرفت الہی کی مجلسوں اور محفلوں میں آتے ہیں تو وہ مل جل کر یہ کام نمٹا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب ان کا سفر اپنی ذات کی نفی ہوتا ہے لیکن وہ نفی ذات ہی کے حوالے سے اپنے اللہ کو حاصل کر لیتے ہیں۔ جب ایسے عارف لوگ اپنا ذکر اللہ تعالیٰ کے حوالے سے قرب الہی کے زمرے میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مراتب کو اور بلند فرماتے اور ان کی بہتوں کو بلند ہی بخشتے ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر ان کے قلوب کو اور بھی پاکیزگی کی نعمتوں سے منصف کر دیتا ہے۔ ان لوگوں کے ارادوں، بلند ہمتوں اور اولوالعزمی کے باعث اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے عارفوں کے قلوب

**کنز المعرفت** : نظر کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا وسیعہ اور ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کلام اور ان کی تشریح و وضاحت کو بھی ہدایت ہی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔ عارفوں کے دل اور ان کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں اور رحمتوں

کے منابع کی شاہراہیں ہوتی ہیں۔ اہل معرفت کا کلام معرفت الہی کے خزانوں میں سے ایک عظیم خزانہ ہوتا ہے۔ عارفوں کی زبان سے نکلا ہوا کلام معرفت سراپا ہدایت اور باعث رشد و رہنمائی ہوتا ہے۔ عارفوں کے دل ان خزانوں کے مالک ہوتے ہیں اور وہی دل لوگوں پر اپنے کلام کے ذریعے سے ان خزانوں کو لٹاتے ہیں۔ اہل معرفت کو ان کے دلوں کے ان خزانوں کو جھولیاں بھر بھر کر لٹانے کا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی واضح طور پر ارشاد فرما رکھا ہے لہذا اہل معرفت اپنے کلام کے ذریعے سے ان خزانوں کو سجا طور پر اللہ کے بندوں پر بچھا دو کر رہتے رہتے ہیں۔

ابوالقاسم عارف فرماتے ہیں کہ ”اے اللہ کے بندے! خیراً کثیراً! تو اپنے آپ کو اور اپنی ذات کو اپنے حقیقی خالق و مالک کے سپرد کر دے۔ اس طرح کہ جب تو اپنے آپ کو اللہ کی تفویض میں کر دے گا تو تو تمام فکر وں سے آزاد ہو جائے گا۔ اس طرح جب تجھے نیری فکر اور پرواہ ہی نہیں رہے گی تو پھر تیرا قلب حکمت الہی کا ایک مقام بن جائے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تیرے دل کو حکمت الہی کی لذت سے آشنا فرما دے گا۔

بعض اپنے کلام میں یہیں بھی فرماتے ہیں کہ ”اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات بابرکت بے عیب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں کہ جو نور معرفت کی جانب قدم بڑھانے والے مریدوں کے قلوب کو نور سے منور فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے طالبان کو اپنے نور ہی سے مزین فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نور کی فراوانی کے بعد اپنی محبت کی اور الفت کی امت کر دینے والی شراب سے انہیں شربود کر دیتا ہے۔ انکے دلوں کے چراغوں کو اللہ تعالیٰ نور محبت سے روشن کر کے چکا چوند کرتے والے بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ایسے لوگوں کی زبانوں کو اور ان کے خیالات کو معرفت کے اشارات کا خوگر بنا دیتا ہے۔ اس طرح وہ لوگ اپنے کانوں کو باطل، لغو اور فواحش کے سننے سے بالکل بہرہ کر لیتے ہیں۔



برائی دیکھنے اور محسوس کرنے سے اپنی آنکھوں کو اندھا کر لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ لوگ اپنی نفسانی خواہشات، صغلی جذبات اور شہوتوں اور فضولیات سے پاک اور میرا کر لیتے ہیں۔ ان کی زبانیں فضول باتوں کے سامنے گنگ ہو جاتی ہیں۔

عارف کے دل کے بارے میں فرمایا جاتا ہے کہ اس کا دل اللہ کی زمین میں اللہ کے خزانے کا درجہ رکھتا ہے، اور معرفت کے اسرار اس دل کی امانت ہیں۔

حضرت سیکھی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ”بندہ کے دل کی مثال ایک دیگ کی سی ہے کہ جس میں پوری گرمی اور تپش کے سانچے چمیسزیں گلا کر پکائی جاتی ہیں۔ اور زبان کو اس دیگ کے منہ کی حیثیت حاصل ہے اور یہی زبان اللہ تعالیٰ کی فغتون کو بیان کرتی ہے۔ زبان پر دل کے معارف عیاں اور واضح ہوتے ہیں۔ اس طرح زبان ہی صحیح معنوں میں دل کی مکمل طور پر واقف اور آشنا ہوتی ہے۔

حضرت ابو حامد کافرانہا ہے کہ میں نے

**اللہ کی طرف دعوت :** عوام میں کبھی ایسی بات نہیں کی کہ جس میں میرا مدعا یہ نہ ہو کہ عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب بلایا جائے۔ میں ہمیشہ اپنے کلام میں لوگوں کو اللہ کی طرف ہی دعوت دیتا ہوں۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ میں اتنی جرأت ہی نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر کے بغیر کسی سے کوئی کلام کر سکوں۔ میں جب بھی کسی سے کوئی کلام کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن سے ہوتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

**مفت ام صدق وصف :** کافرانہا ہے کہ اللہ کا جو بندہ اپنے اس ارادے

اور عنہم میں ڈٹ جائے کہ اس نے اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے اپنی مکمل عہد کو ظاہر کرنا ہے اور پورے خلوص اور راست نیت کے ساتھ اپنی عہدیت کو صرف اللہ ہی



سے وابستہ رکھنا ہے اور غیث اللہ کا شائبہ بھی نہیں آنے دینا تو اس سطح پر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقام صدق و صف عطا فرماتا ہے۔ اپنے اس طرح کے بندوں کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "مَقْعِدُ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ" (جو شخص صدقِ دل سے قعدہ کر کے بیٹھ جاتا ہے، گویا وہ ہر طرح کے اقتدار کے مالک اور پروردگار کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔)

بقول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

**نور کی بصیرت :** اللہ کا بندہ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو کر یہی ہمت کی آنکھ کھولتا ہے۔ اس حالت میں وہ اپنی قوت، ارادے اور ہمت کے ساتھ سلامتی تلاش کرتا ہے۔ اسے پھر ہمیں یہ صداقت ملتی ہے وہ معرفت میں اپنی آنکھوں میں سکون اور ٹھنڈک محسوس کرتا ہے اس کی آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی بصیرت کے نور سے منور ہوتی ہیں۔ اور ان آنکھوں میں یقین کا نور پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہر شے کو اور اپنے پروردگار کو اسی نور ہی کی بدولت دیکھتا ہے اور وہ آنکھیں نور کے فیض سے صحیح معنوں میں بالبصیرت ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابو الفتح اسمٰعیل بن عبد اللہ بغدادی فرماتے ہیں کہ

**اللہ کا دیدار :** "اے اللہ والو! یہ خوب طرح سے جان لو کہ رویت یعنی دیدار اور دیکھنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دل اور یقین کی نگاہوں سے دیکھنا اور دوسرا ظاہری آنکھوں سے دیکھنا۔ اس رویت کے حوالے سے حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے؟ اور یہ کہ اس اللہ تعالیٰ کو تو کوئی آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اس سوال کے جواب میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن دیکھنا صرف آنکھ ہی کا دیکھنا تو نہیں ہوتا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا تعلق ہے ہم نے اپنے پروردگار کو یقین

کی نظروں اور نور کی بصیرت سے دیکھا ہے اور ہاں جان لو کہ اللہ کے بندے کا دل جب یقین عمک کے ساتھ اپنے پروردگار کو دیکھتا ہے تو وہ معرفت حاصل کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے کسی دوسرے کو مزید دیکھنے کی آرزو اور طلب ہی نہیں رہتی۔ انسانی جسم و جان میں سے جب انسانی طلب کی صفات کو یکسر ختم کر دیا جاتے تو اسی وقت وہ اللہ کی رویت کے لائق ہوتا ہے۔ اللہ والے اپنے پروردگار کے سوا ہر طرح کے دیدار و درشن کو روا نہیں سمجھتے۔ دیدارِ الہی کے بعد ہر طرح کا دوسرا دیدار ساقط ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ثواب کے بعد عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ اس اہل دیدار میں صرف دیدارِ الہی باقی رہتا ہے اور اسی سے انہیں معرفت ملتی ہے۔

اللہ کے بندے بعض اوقات اپنے پروردگار

### ذکرِ عنایات : کہ فاموش کئے بغیر بھی ذکر اللہ کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتے

ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے بندوں کو عزم و ہمت کی بلند پروازی اور عالی ہمت عطا کرتے ہیں۔ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب اپنے پیروں کی قوت اور عالی حوصلگی کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ اور وہ بارگاہِ الہی میں رسائی بھی حاصل کر لیتا ہے اور یہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے ایسے عالی ہمت لوگوں کو معرفت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ یہاں پر اس بندہ خدا کی زبان اپنے پروردگار کے سامنے عاجز رہ جاتی ہے۔ وہ صرف اور صرف اپنی زبان سے اپنے اللہ تعالیٰ ہی کے حقائق اور عنایات کا ذکر کرتا ہے اس کے سوا اس کا ہر طرح کا بیان خاموش ہو جاتا ہے۔

اللہ کے عارف بندے اللہ کی دی ہوئی علامات

### اللہ کی طلب : اور نشانیوں ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ کے عارف اللہ

کے علم اور اس کی نشانیوں سے باخبر ہوتے ہیں۔ اللہ کا عارف اپنے مرتبہ معرفت پر اپنے اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کی نہ چاہت رکھتا ہے اور نہ طالب ہوتا ہے، وہ اپنے اللہ سے



اللہ ہی کو طلب کرتا ہے۔

کسی عارف نے فرمایا ہے کہ ”میں حج کرنے کے لئے گیا تو میں نے بیت اللہ تشریف میں ایک نوجوان کو دیکھا۔ وہ نوجوان اپنے پروردگار سے کو لگائے ہوئے کہہ رہا تھا کہ ”اے پروردگار! تیری دنیا کے تیرے تمام دستیرے گھر میں جمع ہو چکے ہیں۔ یا اللہ آپ ان وفود سے پوری طرح باخبر اور علم رکھنے والے ہیں۔ آپ کے دربار میں ان وفود اور وفود میں شامل لوگوں کا اپنا مقام و مرتبہ ہے، اس پر اس نوجوان نے ایک غیبی آواز سنی جس میں کہا گیا کہ ”میرے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے میری طلب کرنے والے بہت قلیل لوگ ہیں“ یہ آواز سن کر وہ نوجوان چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا اور زمین پر گر پڑا۔“

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خادم سے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دن حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ ”میں نے اپنے پروردگار کو خواب میں دیکھا ہے۔ اور میں نے سنا ہے کہ رب العزت فرما رہے تھے کہ اس دنیا میں مجھے طلب کرنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ مجھ پر فدا ہونے والے چند ایک ہی ہیں۔ آج تو بایزید کے سوا کوئی میرا عارف صادق موجود نہیں ہے جو مجھے ہی چاہتا ہو۔ اس لئے میں بھی آج بایزید بسطامیؒ ہی کو طلب کرتا ہوں۔“

ایک عارف حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ وہ گر وہ کہاں ہے جسے آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو اور جو اللہ کے سوا کسی اور شے کا طالب نہ ہو۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ اللہ کا عارف اپنے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو بھی اللہ ہی کے حصول کے لئے لگاتو رہا ہے۔ وہ اپنے اللہ کے سوا نہ تو دل میں کسی کو جگہ دیتا ہے اور نہ وہ حرکات و سکنات ہی کو غیر اللہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔



ایک حکایت ہے کہ کسی نے ایک عارف سے  
تحقیق کے امام : سوال کیا کہ آپ کس حال میں ہیں اور کیسے ہیں؟ اس اللہ کے  
 عارف نے فرمایا کہ "اس کا کیا حال ہو سکتا ہے کہ جو اپنے اللہ کے ساتھ ہو! اور جس کا  
 یہ خیال ہو کہ اللہ تو عاتب ہے اور اللہ اس سے بے خبر ہے وہ اللہ کے اشاروں اور علامتوں  
 کو کیا جان سکتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے عارفوں کے کچھ اشارے اور علامات ہوتی ہیں۔ ان کی عبارتوں سے بھی  
 خال خال ہی لوگ واقف ہوتے ہیں۔ عارفوں کا باطن ہر طرح کے بشری تقاضوں اور کثافتوں  
 سے پاک ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے اللہ ہی کے ہو جاتے ہیں اللہ ہی کو اپنے لئے کافی سمجھتے  
 ہیں۔ وہ عارف دنیا اور عقبیٰ سے پاک ہو کر اللہ ہی کے لئے ہو جاتے ہیں۔ یہ اہل ہمت لوگ  
 ہوتے ہیں۔ اور بلاشبہ اہل ہمت کا ذکر ایک باعزت اور عظیم کام ہے کیونکہ عارف اپنی  
 تحقیق میں اللہ کی جانب امام ہوتے ہیں۔ اللہ نے ان کا مقام و مرتبہ بلند رکھا ہوا ہے۔

## حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی معرفتِ اعلیٰ ہمتی

حضرت ابوالفتاح حمزہ بن عبد اللہ بایزیدؒ نے فرمایا کہ :

اے اللہ والو غور سے سنو! بایزید

مطالعہ کی اہمیت : بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں

میں سے ایک نشانی یہ ہے ، دوسرے عقلمندوں میں ان کا وجود انسانوں کے لئے موجبِ پسند و نصیحت ہے۔ میں نے اہل علم بزرگوں ، آئمہ اور اہل معرفت اور عالی ہمت لوگوں کی متعدد کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کے کلام اور بیانات پر غور و فکر کیا ہے۔ علمائے سلف اور بزرگانِ رشد و ہدایت کی کتب کا بھی بغور مطالعہ کیا ہے۔ لہذا معرفتِ الہی کے میدان میں مجھے جن رہنما اصولوں اور تعلیمات کی ضرورت محسوس ہوئی میں نے انہی آئمہ کے مطالعے سے حاصل کی ہیں۔ میں نے اس قدر زیادہ مطالعہ اور غور و فکر اس لئے بھی کیا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ”لَا تَطْلَعُ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ الْمَعْرِفَةِ وَالرُّوحِ الْيَقِينِ“ (بزرگوں اور اہل معرفت کے کلام کا مطالعہ کرنا روح کو یقین بخشتا ہے اور معرفت کے کلام کے لئے اس کی حیثیت روشن چرخ کی سی ہوتی ہے۔)

اہل معرفت کے کلام اور کتابوں میں رشد و ہدایت ہوتی ہے ، ان کا کلام خیر و برکت

کا سر شیشہ ہوتا ہے۔ ان کا کلام اور تعلیمات علم کے بیابانوں کی پیاس بجھاتی ہیں۔ ان معرفت والوں کا کلام ایک طرح کے آبِ رواں کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں توحید کے خزانے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان کے کلام کے باعث خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی حفاظت کے لئے حوصلہ اور ہمت میراقتی ہے۔

میں نے علمائے معرفت کی ذقیق کتابوں کا **بایزید کا مرتبہ** مطالعہ کیا اور غور و فکر کیا ہے۔ اسی قدر مجھے ان بزرگوں کے کلام کو سمجھنے کا موقع ملا ہے، اور عارفوں کے کلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ان اللہ کے عارفوں کے کلام کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد مجھ پر یہ آشکارا ہوا کہ اللہ کے نزدیک اہل معرفت اللہ کو سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اہل معرفت کا مرتبہ اور فضیلت باقی ساری مخلوق سے بلند و بالا ہے۔ اور پھر اس اللہ کے عارفوں میں کہ جو اس دور میں زندہ ہیں یا جو پہلے گزر چکے ہیں، ان سب میں سے حضرت بایزیدؒ کا مرتبہ بلاشبہ بلند اور افضل ہے۔ اور میں یہ پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت بایزیدؒ بطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء اور تعریف اسی طرح کرتے ہیں کہ جس کے اللہ تبارک و تعالیٰ مستحق ہیں۔

ایک بار ایک شخص حضرت بایزیدؒ بطامیؒ کی خدمت **اسمِ اعظم** میں حاضر ہوا اور پھر عرض کیا کہ یا حضرت میں نے یہ سن رکھا ہے کہ آپ کے پاس اسمِ اعظم ہے۔ اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے وہ اسمِ اعظم سکھا دیں۔ مجھے اس اسمِ اعظم سے بے حد محبت ہے۔ میں اس اسمِ اعظم کا ورد کرتا چاہتا ہوں۔

اس پر حضرت بایزیدؒ بطامیؒ نے فرمایا کہ ”اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام اسمائے گرامی اسمائے اعظم ہیں۔ ان تمام اسماء میں کوئی تخصیص یا حد بندی یا تقسیم نہیں ہے۔“



تمام اسماء محترم اور مقدس ہیں۔ ان میں سے کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ اور اصغر یا اکبر نہیں ہے۔ ان میں سے عظیم اور اعظم کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اصل بات ان اسماء ربانی میں نہیں بلکہ وہ بندے کے دل کی ہے، اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بندہ کس قدر زیادہ متقی ہے اور کس قدر دار فتنگی سے ان اسماء کو چاہنے والا ہے۔ اگر اللہ کا بندہ خدا کے مقابل کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو وہ وصل الہی کی لذت سے آشنا ہو سکتا ہے، اسی طرح وہ معرفت الہی سے بھی واقف ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر بندہ اپنی ہمت اور پرواز کی بدولت لمبی اڑان کر سکتا ہے۔ وہ مشرق و مغرب تک جہاں چاہے چند ساعتوں میں پرواز کر سکتا ہے۔ اس میں متعدد خدائی اوصاف بھی پیدا ہو جاتے ہیں؛ اس طرح وہ زندگی اور موت پر بھی فتور ہو جاتا ہے۔ مردوں کو زندہ کرنا اور زندوں کو موت کی نیند سلانا اس کے لئے معمولی امور بن جاتے ہیں۔

سوال کرنے والا شخص جو اسم اعظم کا طالب تھا۔ وہ اس قدر عمدہ بیان پر ترقیب اٹھا۔ سبحان اللہ کہہ کر پکار اٹھا کہ واقعی اس صورت میں تو اہل ہمت کے لئے اسم اعظم حاصل کرنا کوئی بڑا اور محال امر نہیں ہے۔ اس پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے پھر فرمایا کہ ”اہل ہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کے لئے اسم اعظم کا حصول کوئی بڑا امر حلہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ کے سوا باقی تمام جہان اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طلب ہی سب سے اعظم ہے۔ اور پھر اس طلب کے لئے عالی ہمت اور حوصلہ کی ضرورت ہے۔ عالی ہمت لوگ تو اپنے اللہ سے جو کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ وہی کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ عرش معلیٰ کے نیچے سے لے کر تمام کائنات ان کی عالی ہمتوں کی زینگیں ہو جاتی ہے۔“

سوال کرنے والے نے ایک بار پھر اس قدر بلند مرتبہ لوگوں کے بارے میں سوچا کہ وہ لوگ کون ہوتے ہیں تو پھر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو

لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور اللہ کی معرفت کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ ان ہی کا یہ مرتبہ اور فضیلت ہوتی ہے۔

ایک بار ایک شخص حضرت بایزید بظامی رحمۃ اللہ

**ادنیٰ درجہ :** تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ”اے بایزید!

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام پر فائز کر رکھا ہے کہ فرما رکھا ہے کہ جو تمام جہانوں میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بے حد کرم نوازی اور مہربانی ہے؟ اس پر

حضرت بایزید بظامی نے وضاحت طلب کی اور دریافت فرمایا کہ وہ کونسا مقام تمہیں حاصل ہے کہ جس نے مجھے اس قدر یوں اظہار کرنے پر مجبور کیا۔ اس شخص نے بتایا کہ ”اللہ

تعالیٰ نے عرش اعظم کے سوا دنیا کی ہر چیز کو میرے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ تخت انبیا بھی میرے لئے مسخر ہے؟“ اس پر حضرت بایزید بظامی نے فرمایا کہ ”اے نادان اور

مسکین شخص! تو کس خیال میں گم ہے۔ یہ جو اپنا مقام اور کیفیت بیان کی ہے یہ تو اہل معرفت کے لئے سب سے ادنیٰ امر ہے۔ معرفت والوں کے لئے اس مقام کی کوئی حیثیت ہی نہیں

ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے تو بے حد و حساب وسیع ہیں، وہ اگر تمہارے والی تمام نعمتیں اور درجات ساری مخلوق کو بھی دے دیں تو ان خزانوں میں کوئی کمی واقع نہ ہو؟

”اور ہاں! اہل معرفت کا مقام اور درجہ کچھ اور ہوتا ہے۔ اہل معرفت کے نزدیک جو کچھ مجھے حاصل ہے، ان سے فیض یاب ہونے والا تو کمتر درجے اور ناقص معیار پر ہوتا ہے۔“ اس

کے بعد حضرت بایزید بظامی نے اس شخص سے فرمایا کہ ”اے خوش فہم اور نادان شخص اب آپ

میاں سے چلے جائیں۔ آپ جو ادنیٰ درجے کو بڑا کچھ سمجھ رہے ہیں، آپ اہل معرفت کی ہمتوں اور رفعتوں کو کب جانیں؟“

حضرت بایزید بظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

**معرفت کا مقام :** ایک خادم سے روایت ہے کہ ہم نے ایک بار مدینہ منورہ



میں دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بہت سے لوگ جمع ہیں لیکن وہ شخص خاموش ہے۔ اس شخص نے جب لوگوں کی آرزو اور توقعات کا احساس کیا تو وہ رونے لگا۔ لوگوں نے اس شخص سے اپنے اپنے بارے میں خدا سے دعا کے لئے درخواست کی۔ اس شخص اور مجھے دیکھ کر حضرت بایزید بسطامی بھی وہاں رُک گئے اور پھر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ ”اللہ کی یہ مخلوق اور بندے اگر اپنے پروردگار کو جان لیتے تو یہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ اگر اللہ کے بندے اللہ کی معرفت حاصل کر لیتے تو وہ خود اس قدر غنی ہو جاتے کہ انہیں کسی سہارے کی ضرورت کی محتاجی ہی نہ رہتی۔ اس مخلوق خدا کو میرے پاس بھی آکر کھڑے ہونے کی ضرورت پیش نہ آتی۔“ اس کے بعد اس شخص نے اپنے پروردگار سے یوں دعا کی کہ ”اے میرے پروردگار تو مجھے ان لوگوں میں میں اُلجھا کر نہ رکھ دینا۔ کہیں میں لوگ میرا حجاب نہ بن جائیں۔ اور میں قرب الہی سے محروم ہو جاؤں۔ یا پروردگار میں تیری پسناہ مانگتا ہوں تاکہ میں حجابات میں نہ آؤں۔ اور اے پروردگار مجھے ان لوگوں کے لئے حجاب بنا دے تاکہ میں تیری معرفت سے بے گانہ نہ ہو سکوں۔“

بقول حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

**بندے کے حجابات :** کے خادم۔ ایک بار حضرت بایزید بسطامی دورانِ مناسک حج حضرت اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے سلام پیش کیا۔ پھر مقام ابراہیم علیہ السلام پر چلے گئے۔ مقام ابراہیم علیہ السلام پر کھڑے ہو کر حضرت بایزید بسطامی نے یوں دعا فرمائی ”اے میری جان اور روح کے مالک تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تیرے کتنے ہی بندے ایسے ہیں کہ جو حجابات میں گرفتار ہیں لیکن اے مالک تو اپنے خاص بندوں کے حجابات دُور فرما دیتا ہے۔ یا اللہ پاک تو اپنے بندوں کے حجابات دُور فرما“ اس دعا پر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے آواز سُنی جس میں کہا گیا تھا کہ ”اے ابویزید! تیرے پروردگار کا کوئی حجاب اور کوئی پردہ نہیں ہے۔ اللہ اپنے بندوں اور اپنے درمیان کوئی حجاب حاجل



نہیں رکھتے بلکہ تیرا رب بندے اور خدا کے مابین کوئی حجاب پسند ہی نہیں کرتا؟  
 ہاتھ کی یہ ندا سن کر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ناروا قطار روئے  
 لگے اور عرض کیا کہ "اے خدا اے عزوجل میرے جسمانی اعضاء کو مجھ سے حجاب نہیں  
 ہے یا اللہ پاک تو میرے تمام حجاب دور فرما دے" اس کے ساتھ ساتھ حضرت بایزید  
 بسطامی اس قدر زیادہ روئے کہ آنکھوں سے خون جاری ہو گیا، اور ان پر رقت طاری ہو  
 گئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

## عارف کی چیخ اور حجاب

خادم بیان کرتا ہے کہ ایک بار حضرت بایزید  
 بسطامی پر ایک ایسا حال اور کیفیت طاری ہو گئی کہ آپ بہت بلند آواز میں چیختے رہے۔  
 وہ چیخیں اس قدر شدید اور عجیب تھیں کہ میں اُن سے بے حد سراسیمہ ہوا اور میرا دل اس  
 قدر دہل گیا کہ شاید پھٹ جائے گا۔ اس صورت حال کو میں نے کئی دن تک حضرت جی سے  
 چھپائے رکھا، اور پھر ایک دن تنگ آ کر میں نے عرض کر ہی دیا کہ "اے میرے آقا! میں  
 پچھلے چند دنوں سے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا دل ہی  
 نہ پھٹ جائے؟" حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجازت دی تو خادم  
 نے مزید بیان کیا کہ "آپ کی شدید اور زوردار چیخ نے مجھے تو بے حال کر رکھا ہے۔  
 اس چیخ کو سُن کر میرا تو دل پھٹنے لگا ہے آپ کی وہ کیا حالت تھی اور آپ اس  
 وقت کس کیفیت میں تھے؟"

خادم کی سراسیمگی اور دہشت کو ختم کرنے کی خاطر حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا  
 کہ "یہ چیخ بے سبب نہیں ہوتی۔ اللہ کا عارف اس وقت شدید اور سخت چیخ مارتا  
 ہے جب اللہ اپنے اور اس کے درمیان حائل حجاب دور کر دیتا ہے۔ پھر اللہ کے  
 عارف کے دل سے جو بلند اور سخت چیخ بلند ہوتی ہے۔ وہ حجاب کی ختم من پر کجلی بن کر

گرتی ہے اور حجاب خاکستر ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر عارف کے لئے اس سے بڑا اور کونسا مقام و مرتبہ ہوتا ہے کہ اس کے تمام حجاب ختم ہو جائیں اور وہ قرب الہی سے فیضیاب ہو جائے۔“

حضرت بایزید بسطامیؒ کے

**حضرت بایزید کا ایک خواب :** پاس اللہ کے بندوں کے کئی وفود اور بڑے

بڑے عارف بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک بار ایک ایسی جماعت آپ کی خدمت میں پہنچی کہ جس نے اسناد عاکی کہ آپ انہیں کوئی اپنا خواب سنائیں اور ہدایت فرمائیں۔ اس درخواست پر حضرت بایزید بسطامی نے اپنے ایک خواب کا یوں حال بیان کیا کہ ”میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے آسمانوں پر بلایا۔ ہر آسمان پر چھ سے فرشتوں کی ایک جماعت ملتی رہی۔ اور پھر وہی فرشتوں کی جماعت میرے ساتھ ہو جاتی۔ اور پھر فرشتوں کی ہر جماعت یہی سوال کرتی کہ ”اے بایزید آپ کس وقت تک اور کتنی مدت تک اپنے اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے؟ اور کیا اللہ کا یہ ذکر تمہاری موت تک جاری رہے گا۔“ فرشتوں کے اس بار بار کے سوال پر میں نے عرض کیا کہ ”میرا ذل یہ ہرگز گوارا ہی نہیں کرتا کہ میں ایک ثانیہ کے لئے بھی اپنے اللہ کے ذکر سے غافل رہوں۔ مجھے اللہ کا ذکر محو کرنے سے خدا سے شرم آتی ہے۔ اور یہ بھی میرے

بس میں نہیں ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر ابدیت میں کھو جاؤں اور اپنی عبدیت کے لئے اپنے مولیٰ سے کچھ طلب کروں۔ مجھ سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے خالق و مالک کا ذرا کسی عدد و حساب کے تحت کروں۔ اپنے اللہ کے ذکر کے لئے میں کسی طرح کی گنتی کا معیار بھی ٹھہرانا سوئے ادب سمجھتا ہوں۔ مجھ سے اس کے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”قَدْ كَرَّمَ اللَّهُ ذِكْرًا كَثِيرًا“ (اپنے اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو) حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ بیان سن کر فرشتے گریہ زاری کرنے لگے اور



سوال کیا کہ "اے یازید! اس قدر زیادہ اور مداہم ذکر کرنے والی زبان آپ کو کس مرحلہ پر اور کس وقت عطا ہوئی؟"

اس استفسار کے جواب میں حضرت یازید

**ذکر کرنے والی زبان؛** بسطامی نے فرشتوں سے فرمایا کہ لوگ جس وقت اپنے

اللہ سے اپنی اپنی دنیا اور عقبی کی مرادیں مانگ رہے تھے اور جنت کی طلب کی آرزو کر رہے تھے۔ دوزخ سے ڈرنے والے دوزخ سے خدا کی پناہ مانگ رہے تھے اور جنت کے طلب

جنت کی دعا کر رہے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب عادل تحقیق عمل کر رہا تھا تو اس وقت پر میں

میں اپنے منعم تحقیق کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں اس وقت کچھ مانگنے کے بجائے

امری اور ابدی طریق پر اللہ، اللہ، اللہ ہی کا ورد کر رہا تھا۔ دنیا و عقبیٰ سے میں بے نیاز تھا۔

میں نے اللہ کا ذکر کرنے والی زبان اسی وقت پائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وصفت میری زبان

کو اسی وقت بخشا تھا اور میرے لئے اللہ کا ذکر ہی کافی ہے۔

اللہ کے بندوں کی اس جماعت نے حضرت یازید بسطامی کے خواب کا یہ حصہ سُن

کہ ایک بار پھر درخواست کی کہ ہمیں مزید تفصیلات بتائی جائیں۔ اس طرح آپ نے فرمایا

کہ "میں نے اور دیکھا کہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں۔ اللہ جل شانہ بڑی شفقت

سے فرماتے ہیں کہ "اے میرے بندے آج تو جو پاتا ہے ہم سے طلب کر لے۔ اس

پر میں نے عرض کیا "اے میرے رب، تو رحیم اور کریم ہے مجھ پر اپنا کرم فرما۔ مجھے ترے سوا

کچھ نہیں چاہیے۔ یہی میرا ارادہ ہے اور یہی میری ہمت اور طلب ہے۔" بقول یازید بسطامی

اس کے بعد ایک بہت بڑا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر طرح طرح کی نعمتیں سجائی گئیں۔

پھر ایک فرشتے نے مجھے ان نعمتوں کی جانب دعوت دی لیکن میں نے کھانے پینے کی ان نعمتوں

کی جانب کوئی توجہ نہ دی بلکہ اپنے پروردگار کی جانب سے نظر بھی نہ ہٹنے دی کیونکہ یہ خوان

عظیم اللہ تعالیٰ کی جلالت کے سامنے پیش تھا۔ اس صورت حال میں میں نے اپنے خالق و



مالک سے عرض کی کہ ”اے پاک ذات، اے بے عیب ذات، یہ نوحانِ نعمت اور دسترخوانِ میراد عا اور منشا نہیں ہے۔ میری مراد صرف میرا اللہ ہے۔ میں اسی کا طالب ہوں۔ اے پروردگار! تیرا ایک طالب تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ تیرے باقی بندوں نے اپنی اپنی مرادیں حاصل کر لی ہیں۔ پروردگار تو نے انہیں ان لوگوں کی طلب کے مطابق عطا فرما دیا ہے۔ اے اللہ! مجھ پر یہ تیرا کرم اور احسان ہو گا کہ تو میرے تمام حجابات دور فرما کر قرب الہی اور معرفتِ حق سے فیض یاب فرما دے۔“

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر میرا امتحان لیا، اور یہ امتحان وہی نوحانِ عظیم اور اللہ کا سجایا سزا دہن سترخوان تھا۔ یہ امتحان اس قدر بھاری تھا کہ اس کو زمین اور آسمان بھی برداشت نہ کر سکتے۔ لیکن میرے اللہ نے مجھے ثابت قدم اور بلند ہمت رکھا، اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی خاموش ہو گئے۔ لیکن اس جماعت کے لوگوں نے کسی مکاشفہ کے بارے میں پوچھا تو حضرت بایزید نے فرمایا کہ ”میں نے عالمِ رویا میں پوری اولادِ آدم کو دیکھا ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ ان میں سے بہت تھپڑے لوگ اہلِ ہمت ہیں۔ لیکن میں نے اس حقیقت پر یہ عہد کر لیا کہ میں اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان کبھی کسی حاجت کو حائل نہیں ہونے دوں گا اور اپنی کوئی حاجت اس کمزور اور ضعیف سے نہیں کہوں گا کیونکہ میرے لئے میرا اللہ ہی سب کچھ ہے اور وہی میرے لئے کافی ہے۔“

حضرت بایزید بسطامی کے اس بیان پر اللہ والوں کی وہ جماعت آپ کی عالی ہمتی پر تحسین و تبریک کرتی ہوئی اور رشد و ہدایت کی روشنی سے منور ہوتی ہوئی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

ایک بار حضرت بایزید بسطامی مسجد میں نماز جمعہ

جلالتِ الہی کا اثر : ادا کرنے کے لئے خطیب کے منبر کے قریب تشریف

فرماتے: خطیب اپنے اللہ سے دعا کر رہا تھا کہ ”اے میرے مالک اور پروردگار میری مدد فرما“ خطیب کے اس بیان پر حضرت بایزید بظامی نے اپنی خاص نظر کرم سے اس خطیب کی جانب توجہ کی تو اس کی زبان پر یہ آیت مبارکہ آگئی۔ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (اور جو اللہ تعالیٰ کی عظمت، شان اور قدر مٹی اس کو لوگوں نے پہچانا ہی نہیں ہے)۔

اپنے خطیب جمعہ میں خطیب جب یہ آیت مبارکہ پڑھ رہا تھا تو اس وقت حضرت بایزید بظامی پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی جلالت اس قدر اثر انداز ہوئی کہ سبب الہی سے آپ رونے لگے اور خون کے آنسو جاری ہو گئے۔

حضرت بایزید بظامی سے کسی نے سوال کیا کہ کوئی ایسی اللہ ہی اللہ؟ صورت اور امر ارشاد فرمادیں کہ میری عبادت کو دوام حاصل ہو جائے۔ اس سوال پر حضرت بایزید بظامی نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کا قرب اور معرفت ہی سب سے افضل اور احسن ہے۔ اس معرفت میں جب اللہ کا بندہ اپنے پروردگار کو پہچان لیتا ہے تو پھر وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ ایک ایسی منزل پر پہنچ گیا ہے کہ جہاں پر اسے کسی دوسری شے کی احتیاج ہی نہیں ہے۔ یہ منزل عارف کا حق ہے۔ عارف یہ بھی جان لیتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی سب کچھ ہے، اور وہی ہر ایک چیز پر غالب اور محیط ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیہ اللہ پر ارادہ نہیں ہوتا۔ وہ عارف اپنے تمام اشغال کو ترک کر کے صرف اللہ ہی کی جانب اپنا ارادہ اور ہر عمل کر لیتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کو اس عارف کے ارادے اور لگان کے تابع کر دیتا ہے۔ وہ جس امر کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ارادے کو بھی پورا کر دیتے ہیں۔ عارف اس مرحلے اور درجے پر اس حقیقت کی معرفت حاصل کر لیتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے۔



ایک شخص نے حضرت بایزید بطنامی کی خدمت میں  
**حکایت** : حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”یا حضرت! میں نے سنا ہے کہ آپ کو  
 محبوب الدعوات نے مستجاب الدعوات کی فضیلت بخش رکھی ہے یعنی اللہ جل شانہ آپ  
 کی ہر دعا کو قبول فرماتے ہیں۔“ اس سوال پر حضرت بایزید بطنامی نے مسرہ کیا کہ ”نادان!  
 غافل اور مسکین لوگ صرف اتنی بلندی اور پرواز پر اتراتے پھرتے اور خوش ہوتے ہیں کہ  
 ان کی دعائیں قبولیت سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ ارض و سما بھی ان کے تابع  
 کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مسافیتیں مختصر کر دیتے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت بایزید بطنامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسند و وضاحتی انداز میں  
 فرمایا ”اے عزیزِ زمین! دعاؤں پر یہی موقوف کیا ہے، دعائیں تو اللہ تعالیٰ کافروں و  
 مشرکوں کی بھی قبول فرمالیتے ہیں تو مومن کی دعا قبول ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے،  
 مومن کی دعا تو ضرور قبول ہوتی ہے۔“

یہ سننے کے بعد اس شخص نے پھر کہا کہ ”میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ آپ ہوا میں اڑتے  
 ہیں اور پانی پر بھی چلتا آپ کے لئے آسان اور ممکن ہے۔“

حضرت بایزید بطنامی نے اس سادہ سے سوال پر مسرہ کیا کہ ”اے نادان اور غافل انسان  
 تو دیکھتا نہیں کہ پرندے بھی تو ہوا میں اُڑ لیتے ہیں اور لاتعداد جانور پانی میں بھی دوڑتے  
 پھرتے ہیں لیکن مومن کی شان تو ان پرندوں اور جانوروں سے بہت بلند ہے۔ وہ تمام  
 زمینوں، سمندروں، فضاؤں، ہواؤں اور آسمانوں سے بلند و بالا ہے۔ غرض و کرسی کے  
 سوا سب اس کے رتبے سے کمتر ہیں۔“

حضرت، احمد بن حنبل نے

**اہل فضیلت اور اہل معرفت** : اپنے ایک خادم کے ذریعے حضرت بایزید  
 بطنامی کی خدمت میں ایک مصلیٰ بھیج دیا لیکن آپ نے وہ مصلیٰ واپس بھیج دیا اور ساتھ یہ



ارشاد بھی فرمایا کہ ”مجھے اس مصالے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو تمام زمینوں اور آسمانوں کی عبادتوں کو اپنے جسم و جاں میں سمیٹ رکھا ہے۔ میری ان عبادتوں کو میرا خالق و مالک ہی جانتا ہے“

اس کے بعد دوسری بار احمد بن حنبل نے اپنے اسی خادم کے ہاتھ حضرت یازید کے لئے ایک تکیہ بھجوایا تاکہ یہ تکیہ باعث استراحت بنے۔ لیکن حضرت یازید بسطامی نے یہ تکیہ بھی ایک پیغام کے ساتھ واپس بھجوا دیا کہ ”مجھ جیسے اللہ کے بندے کو اس طرح کے تکیے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو اللہ کی راہ میں اپنے جسم ہی کو تکیہ اور اپنا اور ہٹنا بھجونا بنا رکھا ہے“

تیسری بار پھر احمد بن حنبل نے خادم کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ ”اللہ والوں کا قافلہ تو چلا گیا ہے اور آپ مجھ کو استراحت رہے“ اس کے جواب میں حضرت یازید بسطامی نے فرمایا کہ ”اے میرے نادان دوست! تفصیل والے اپنے مراتب پر فخر کرتے۔ لیکن معرفت والے اپنے اعمال کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اہل معرفت کا بڑا اسے بڑا عمل چاہیے وہ زمینوں اور آسمانوں پر بھی محیط ہو، اللہ کے نزدیک ادنیٰ سا عمل ہوتا ہے۔ اور جہاں تک قافلے کا تعلق ہے کہ وہ چلا گیا، اس کے لئے ٹھیک ہے کہ وہ رات بھر سفر کر کے جس پڑاؤ پر پہنچا اور رات بھر بے سکون رہا۔ جب وہ قافلہ پڑاؤ پر اُترا تو استراحت کرنے والا وہاں پہلے ہی سے موجود تھا“

حضرت یازید بسطامی فرماتے ہیں کہ ”ایک بار میں نے

**خالق و مخلوق :** اپنے خدا سے اس طرح التجا کی کہ یا اللہ میں نے تیس سال تک

لوگوں کو دعوتِ تبلیغ دے کر تیری جانب لانے کی سعی کی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس پر ندائے غیبی

سے آگیا کہ ”تو ہمیں چھوڑ کر سہارے غنوں میں مشغول ہو گیا تھا۔ حالانکہ اللہ کی مخلوق اور خالق کا معاملہ

بالکل الگ ہے۔ اس میں کسی کا دخل روا نہیں ہے۔“ اس پر حضرت یازید بسطامی نے سجدہ

پر اتر کر کیا کہ ”اللہ کی بارگاہ میں اللہ کی مخلوق کا معاملہ اللہ ہی کے ساتھ ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔“

حضرت بایزید بسطامی اکثر یہ ایک دعا فرمایا کرتے تھے کہ ”اے اللہ میں تیرے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں سمجھتا۔ مجھے اپنے قرب ہی میں رکھنا۔ مجھے غیاث اللہ سے نجات دلائے رکھنا۔ مجھے اپنی معرفت کے سائے میں رکھنا۔ یا اللہ میری یہی ایک دعا ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کے مسئلہ قرب و معرفت کی دعا کے حوالے سے حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ ”معرفت والے اپنے اللہ کو کبھی ممکن ہی نہیں کہ بھول جائیں۔ کیونکہ ہر امر اور ہر چیز کی ایک روح ہوتی ہے اسی طرح معرفت کی روح بھی ہے۔ معرفت الہی کی روح یہ ہے کہ عارف اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال دے اور قرب الہی میں متغرق ہو جائے۔ اللہ کی معرفت یہی ہے کہ اپنی تمام امیدیں اپنے اللہ ہی سے وابستہ رکھی جائیں اور بندہ اپنے اللہ کی جانب متوجہ ہو کر باقی ہر چیز سے بیگانہ ہو جائے۔“

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں اس قدر بیان فرمانے کے بعد حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے حضرت بایزید بسطامی کے کلام میں سے ایک انتخاب آپ لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ اس کلام روحانیت کے لطیف اشارات موجود ہیں۔ اس کلام میں معرفت کے راز پوشیدہ ہیں۔“ مزید فرمایا کہ ”میں تو بایزید بسطامی کے کلام، ان کی معرفت اور اشارات کو بہت جانتا ہوں لیکن میں نے غیرت بایزید اور ان کی واردات قلبی کے مکاشفات کو حتی المقدور ملحوظ رکھا ہے۔ اس لئے توقع رکھتا ہوں کہ لوگ بھی ان اشارات اور رموز معرفت کو راست معنی کے حوالے سے مفید اور بہتر پائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کلام سے متفیض ہونے والوں

پر اپنی رحمت اور برکت منبر مائیں۔

پھر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید فرمایا کہ ”اے

اللہ تیرے اوقات میں سے ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب لذتِ سرمدی کا وقت طیر آجاتا ہے۔ میں خود کو فنا کر کے ایک تجسید بن گیا۔ میری ذات کی نفی ہوئی۔

ذات کے بعد مجھے الفناء کی مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ میری اس صورت اور مال نے مجھے امتیاز بخش دیا ہے۔ اور میں بارگاہِ باری تعالیٰ میں ہر طرف سے بے خبر اور بیگانہ ہو کر حاضر ہو گیا۔ یہی میرا مدعا اور منشا ہے۔“



## آفات و اذیاء کی صورت

ابوالفتح اسم حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

۱۔ ۳۰۔ الحسن، نو کہ اللہ کے عارف

عارف ایک سمندر؛ گہرے اور اتھاہ سمندر ہوئے ہیں اور ان کی اولوالعزم

اور بلند ہمتی اس سمندر کی موجیں ہوتی ہیں۔ یہ موجیں اسی سمندر سے اٹھتی ہیں اور اسی ہی میں سما جاتی ہیں۔ یہ موجیں اپنے مرکز سے دور نہیں جاتیں۔ اس طرح اس سمندر کی موجیں اور لہریں جس قدر زیادہ تیز و تند اور شدید ہوتی ہیں اسی قدر سمندر کو وہ پاکیزگی اور صفائی بخشتی رہتی ہیں۔ بالکل اسی طرح سے عارف کی عالی ہمت کی موجیں عارف کی الائنشوں، کمزوریوں اور خواہشات نفسانی کو پاک اور صاف کرتی رہتی ہیں۔ اس عمل سے عارف کا جسم تجلیات الہی کے لائق بن جاتا ہے، اس سے عارف کے مسلج اور طبع میں نفاست، بردباری اور عزم و ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے افعال و احوال اور حرکت و سکنت میں ثبات و استحکام الہی پیدا ہوتا ہے۔ یوں یہ عارف پورے کا پورا اپنے اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جاتا ہے۔ بندہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر حق ہی باقی رہ جاتا ہے۔ جب یہ صورت حال ہوتی ہے تو یہ بہت بڑا راز ہے اور بہت بڑا کام ہے۔

عارف کی یہ جو حالت ہوتی ہے، اس کا مدار عارف

دنیا کی حیثیت؛ کی ہمت کی رفعت اور بلندی پر ہے۔ جس قدر سمیت عالی ہوتی

ہے۔ حالت اسی قدر اعلیٰ ہوتی ہے۔ دنیا کو ترک کرنا اور اپنی خواہشات پر قابو پانا اسی منزل پر آسان اور سہل ہے۔ ترک دنیا کے حوالے سے حدیث نبوی میں ہے کہ دنیا کی تمام تر نعمتیں اور عنایات حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کی گئیں لیکن آپ نے انہیں قبول نہ فرمایا۔ یہ عالی سمی، اولوالعزمی اور کمال جرات مہتمی۔ اس دنیا کے بارے میں آپ نے اللہ سے دعا فرمائی تھی کہ ”اے اللہ! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے ایک دن پرہٹ بھر کر ملے اور دو دن فاقہ سے رہوں۔“ یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصال کے وقت تین دن سے فاقہ سے تھے۔

لیکن دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو افسوس کرتے ہیں

**اہل غفلت:** کہ وہ دنیا و غفلی سے بے نیاز ہیں۔ اور یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ وہ

اللہ کے دوست ہیں اور اللہ ان کا دوست ہے۔ ان کا یہ بھی دعوٰی ہے کہ وہ کوہن سے بھی بے نیاز ہیں۔ ان کی نظر میں جنت بھی بے حیثیت ہے۔ لیکن اگر ان کی حالت پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ وہ دنیا بھی رکھتے ہیں اور عقبیٰ کے بھی طالب ہیں۔ وہ کھلتے پینے، سوتے جاگتے اور ہستے کھیلنے بھی ہیں۔ اپنے تئیں ایسے لوگ کلام بھی عمدہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کلام سے اللہ کی پناہ۔ یہ لوگ تو کسی کے دوست نہیں۔ انہیں اللہ سے محبت نہیں ہے۔ ان کے دعوے بے بنیاد ہیں۔ یہ لوگ اصل میں اللہ کے سوا غیر اللہ میں مشغول و مقید ہیں۔ انہیں خیر و شر کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو عارفوں کے ساتھ ملانا درست نہیں ہے۔ یہ لوگ اہل غفلت ہیں۔ اہل غفلت کبھی اہل معرفت کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایسے غافل لوگ درحقیقت اللہ کے نزدیک بدترین درجے کی مخلوق ہیں کہ جو لوگوں کے ساتھ دعا کرتے اور اپنے مریدوں کو گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے سخت عذاب کے متوجہ ہیں۔ ان کا کذب اور باطل ان کے لئے عذاب الیم بنے گا۔ یہ اپنے جھوٹ اور کاذب سچھکنڈوں سے صوفیاء اور عارفوں کے مقام کو مجروح کر کے گناہ گار



ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفار کے بعد یہ کاذب لوگ سب سے زیادہ لعین ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! ان کاذب لوگوں کی باتوں اور دعوؤں پر توجہ دنیا بے کار ہے۔ یہ لوگ معرفت کی الف . ب . سے بھی واقف نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنی نفسانی خواہشات کے اسیر ہیں۔ ان پر دنیا اور عقبی کی خواہشات کا شدید غلبہ ہے۔ اس طرح یہ لوگ معرفت کی منزل سے بہت دُور ہیں۔ ان لوگوں کو تو آفات نے گھیر رکھا ہے۔ عزیز بھائیو! آفات کے کسی رنگ اور کئی صورتیں ہیں۔ ان میں عبادت پر تغافل اور غلط فہمی کا فریب بھی آفات ہیں۔ اور فریب ایک طرح کی ہلاکت ہوتا ہے۔ جہتین کو جو کمترین ہلاکت قلب کے حوالے سے نقصان پہنچاتی ہے وہ خود سری ہے۔ یہ خود سری بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ اس میں کئی آفات در آتی ہیں۔ یہ خود سری ہی اصل فریب نفس ہے۔ فریب نفس میں سراسر زیاں ہے۔ اس میں لغزشیں اور کوتاہیاں در آتی ہیں۔ اسی خود سری سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرामी ہے کہ خدا کا کلام ”وَيَحْذَرُ مَرْكُضُ اللَّهِ لَفْسَهُ“ (تمہیں اپنے نفس کی خود سریوں سے بچ کر رہنا چاہیے)۔ اور مزید ارشاد ہوتا ہے کہ ”وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَفْضَلُ مَا فِي الْأَنْفُسِ كُؤُوه“ (اور یہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ الجوی جانتا ہے اور باتیر ہے کہ تمہارے دلوں کے اند کیا ہے۔ تمہارا رجحان کس طرف ہے)۔

پس اے لوگو! اپنے دلوں میں اللہ کا خوف پوری

**ابلیس کا حال:** طرح سے بساؤ۔ اس لئے جو اترم پر جب تک اللہ کی جانب

سے وارد اور واضح نہ ہو اس کا چسپا نہ کرو۔ بس میدان میں اگر سہو سے کام لیا جائے گا تو حالت ابلیس سے بھی بدتر ہو سکتی ہے کیونکہ ابلیس ملعون نے بھی فریب کھایا۔ اس نے اپنی تین لاکھ سال کی عبادت پر گمان کیا اور وہ اپنے آپ کو محفوظ



ماہون سمجھنے لگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے تو اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ ابلیس پہ علم الہی نے اپنا خاص اثر اس کی تفاخر بھری خواہش کے مطابق دکھایا تو وہ ابلیس اپنی تمام تر طویل عبادات اور علوم کے باوجود مگر ابلیس کا شکار ہوا۔ اس سے اللہ کی حفظ و امان بھی جاتی رہی۔ اس کی عظمت اور عبادت کا تفاخر اس کی کچھ مدد نہ کر سکا۔

راہ گم کردہ لوگوں میں بلعم بن باعور بھی تھا۔ وہ ایک

**حجاب کا نشہ :** عرصہ تک ولایت اور معرفت پر قائم رہا لیکن پھر اس کے تفاخر نے اسے فریب دیا۔ اس طرح وقت معرفت اور علم الہی سے مڑوم ہو گیا۔ اسی طرح قارون پر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی مسرا دانی رہی لیکن وہ متکبر ہو گیا۔ اس کا یہ فخریہ بکبر اور عنبرور اس کے زوال کا باعث بنا لیکن اس نے اپنے اس حال پر کبھی غور ہی نہ کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ کئی اور لوگ بھی اپنے اچھے وقتوں کے حجاب میں آ گئے۔ اس لئے اسے لوگوں پر یاد رکھو کہ جو لوگ حجاب کا شکار ہو جاتے ہیں ان کی حالت نشہ حجاب میں مست ہونے والوں کی ہو جاتی ہے اور پھر جو نشہ حجاب میں مست ہوتا ہے، وہ درد کو محسوس نہیں کرتا لیکن جب نشہ اُتر جاتا ہے درد کا احساس اپنا اثر دکھاتا ہے۔

اور جو لوگ گناہوں کی زد میں بہہ جاتے ہیں وہ تو اپنی مصیبتوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے کلام پاک میں جن شدائد اور مصائب و آلام کا ذکر فرمایا ہے ہمیں ان پر غور کرنا چاہیے کیونکہ بعض گمراہ لوگ تو کسی اور ہی طرح کے گمان میں ہیں اور ان کی سوز بھی مختلف ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "كَلَّا أَتَاهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يُؤْتِيهِمُ الْمُحْجُوبُونَ" (ایسا تو ہرگز نہیں ہوگا جو ان لوگوں نے سوز رکھا ہے۔ یہ لوگ توقیامت کے دن حجابات میں ہوں گے)۔

اس لئے اے میرے بھائیو! دنیا کو چھوڑنا عارفوں فریب کا شکار ہونا : کے نزدیک ایک معمولی کام ہے لیکن اگر کوئی اس دنیا کو چھوڑنے

پرفخسر و تکبر لرے تو خسارے میں ہے۔ اس میں دنیا کے دلوں کو چھوڑنے میں بھی اللہ ہی کی توفیق کا راز رہا ہے تو پھر اس پرفخسر کی کیا بات ہے۔ دنیا واسے دنیا چھوڑ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بہت بڑا کام ہو گیا ہے۔ لیکن اس ترک دنیا پرفخسر و تکبر سر اسرگناہ ہے۔ صرف دنیا چھوڑ دینا اور اسے ترک کر دینا گناہ سے کنارہ کشی ہے۔ گناہ کے ڈر سے ترک دنیا گناہ چھوڑنے کے برابر ہے۔ اسی طرح خوف سے امن اختیار کر لینا بھی فساد ہے۔ اسی طرح اگر بندہ توکل کے حوالے سے وکیل کو صحیح طور پر پہچانے ہی نہ تو وہ توکل کے بجائے مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح جو بندہ محبت اختیار کرتا ہے لیکن وہ اپنے محبوب کی پہچان سے عاری ہے تو اس کے لئے وہ محبت محض ضیاع وقت ہے۔ محبت تو اس وقت ہوتی ہے کہ حب محبوب کا صحیح طور پر ادراک ہو اور محبوب سے واسطہ اور رابطہ ہو۔

یہی صورت حال قُرب الہی کے حوالے سے ہے۔ وہ یوں کہ جس کو قُرب الہی ہو گیا اور وہ بندہ اپنے اللہ کو چھوڑ کر صرف قُرب ہی کو دیکھنا شروع کر دے اور اسی پر اتارنے لگے تو وہ بھی فریب کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسا قُرب اپنی اصل میں دوری کی علامت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو بندہ ذکر الہی میں مشغول رہے اور اس پر وہ گمان بھی کرے کہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ یہی نہیں بلکہ اس عمل پرفخسر و تکبر کرنے لگے تو ایسا شخص بھی خسارے میں ہوتا ہے۔ اس کا ذکر قُرب کے بجائے باعثِ نسیان بنتا ہے۔

بلعم بن باعورہ بھی ایک دور میں اللہ کی نعمتوں سے فیضیاب تھا، اس پر اللہ کی عنایت خفیں لیکن پھر وہ اپنی انوار و عنایات کے فریب میں آگیا اور راتِ نہ درگاہ الہی ہو گیا۔ اسی طرح قارون پر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے حساب فرادانی تھی لیکن وہ فخر و تکبر کا شکار ہو گیا اور اس طرح علم الہی میں زیرِ عتاب و عذاب آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے محروم کر کے تہی داماں کر دیا لیکن اس نے اپنی اس حالت پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔



ان کے ساتھ ساتھ کئی لوگ ابھی تھے کہ جو اپنے

**عارفوں کا ظرف :** اچھے اور بہتر اوقات میں قریب اور سراب کا شکار ہو گئے

انہیں دنیاوی حجابات گھیر لیا تھا۔ لیکن جب انہیں احساس ہوا تو وہ زبان میں تھے لیکن اللہ کے محبوب کی مصیبت اور بلا اس کے اللہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ وہ اس بلا سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ وہ عالی ہمت رہتا ہے۔ اس لئے اللہ کے بندے کہ جنہیں معرفت الہی حاصل ہوتی ہے وہ اس پر اتراتے نہیں۔ اس قریب و نعمت سے وہ تکبر اور تفاخر کا شکار نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ لوگ عبادات اور صدقات کے خوگر ہیں وہ بھی دکھاوے سے کام نہیں لیتے۔ کسی زغم کے حوالے سے قریب کا شکار نہیں ہوتے۔ لیکن چھوٹے ظرف کے لوگ اتر جاتے ہیں اور خود پسندی اور اپنی تعریف کرتے پر ہلاکت سے بھگنا رہ جاتے ہیں۔

خود پسندی بھی ایک انسانی عذاب ہے اس

**خود پسندی :** سے آدمی معذور ہو جاتا ہے اور اس کا نفس موٹا ہوتا ہے۔

خود پسندی ایک بہت بڑا حجاب ہے۔ جو بندے کو اللہ سے دور کر دیتا ہے۔

خود پسندی عرفان روح اور صدق روح کی بھی ضد ہے۔ اس خود پسندی کی دین

جہالت ہے۔ حرمت و ندامت اس کے ثمرات اور معرفت سے دوری اس کا وصف

ہے۔ اس خود پسندی میں جب لوگوں پر ایسی حقیقت حال واضح ہوتی ہے تو وہ حیران اور

ششدر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "و

يَذَٰلِكَ اللَّهُمِّنَ اللَّٰهُ مَا لَكُمْ كَيْفَ تُوۡذَوْنَ اَيۡحَسِبُوۡنَ ؕ" (اللہ تعالیٰ کی جانب

وہ امور اور معاملات ان پر ظاہر اور دار ہیں گے کہ انہیں ان کا وہم و گمان بھی نہ

ہو گا۔)

**سب کچھ توفیق ایزدی :** ان لوگوں کے یہ عکس بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں۔



کہ جنہیں ان کے پروردگار نے رفعت بخشی اور انہیں اپنے قرب سے نوازا۔ لیکن وہ اللہ کے عارف کسی طرح کے گمان کا شکار نہیں ہوئے۔ انہوں نے اپنے اس حال کو اپنی سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں سمجھا بلکہ اپنے پروردگار کا فضل و کرم جانا ہے۔ وہ کسی خود پسندی یا سراب میں مبتلا نہیں ہوئے اور اپنے اللہ پر قائم رہے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اپنا قرب بخشا۔ اسی طرح کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں لباس عداوت میں ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حق کی طرف مائل رکھا۔ یہ توفیق اللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اپنی مرضی اور ارادہ ہے کہ وہ اپنے اولیاء کو اعداء کا لباس دیتا ہے یا اعداء کو اولیاء کا لباس دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح سے اپنے ارادوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کو بھی ظاہر فرماتا ہے۔ کبھی دنیا و نعمتوں کی محدودی پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی بعض حالات میں جسم کے ابعاد اور اطراف موقوف کر دیتا ہے اور پھر اسی طرح انسانی عقل و جسد کو بھی مجبور و بے کس کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بعض عارفوں کو اپنے ہی حال میں مست رکھتا ہے۔ ایسے عارف اپنی اس حالت اور کیفیت سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ انہیں جو خطرات اور آفات لاحق ہوتی ہیں وہ ان سے بھی بے خبر ہوتے ہیں بلکہ اگر انہیں کوئی ہوش رہتا بھی ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے پروردگار کے سامنے شرمندہ اور نامد محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگ صدیقین میں سے ہوتے ہیں۔

اے اللہ کے بند و استو۔ تمہیں تمہارے سفر

**من جانب اللہ** سے کون روکتا ہے۔ کون تمہیں تکبر و تفاخر کی گراہی میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب تم پر اپنی غنایات فرماتا ہے تو پھر تم انہیں اپنے گمان کے دوسو سوں سے کیوں ضائع کرتے ہو۔ اپنے اور اللہ کے درمیان کیوں حجاب پیدا کرتے ہو۔ اللہ کی دی ہوئی عزت و حرمت اور نعمت و برکت کو اپنی خام خیالیوں

سے کیوں ٹھکراتے ہو۔ یہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے۔ اس میں بندے کا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور پھر اس صورت میں بندہ کسی خوش فریبی یا سرار میں کیوں آ جاتا ہے جبکہ یہ سب کچھ، سب عنایات و اکرام اور درجات و مراتب اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں۔ اور یہ معرفت الہی بھی اسی ہی کی جانب سے ہے۔ اس میں بندے کی محبت، محنت، ریاضت یا ہمت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ مقام تو اللہ خود ہی بخشتا ہے۔

اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی

**اللہ خوب جانتا ہے :** ہیں کہ جو خوش کلام اور بیع کلام کرنے والے

ہیں لیکن وہ اسرار الہی اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی معرفت کو اپنے فہم و فراست کی چالاک سے بیان کرتے ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ علم الہی پر بندہ غم خویش حاوی ہیں۔ یہ ان لوگوں کو غلط فہمی ہے اور ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان لوگوں کا ظرف اللہ کی نعمتوں کے لئے بہت چھوٹا ہے۔ اپنے بندوں کو اللہ ہی ان کی منزل کی جانب لاتا ہے اور اللہ بندوں کے حجابات دور فرماتا ہے۔ بے شمار عاید ذکر و عبادت میں مصروف ہیں۔ اسی طرح بے شمار لوگ خوب الہی سے لرزاں ہیں۔ اصل میں تو اللہ ہی جانتا ہے کون کہاں ہے اور اس کی نیت کیا ہے؟ وہ اپنے اللہ کو کیا مقام اور درجہ دیتا ہے اور اپنی عبادات اور ذکر و فکر پر اسے کس قدر زعم اور بدگمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

کئی اللہ سے ڈرنے والے اور اہل حال بھی اپنی بدگمانی اور تشاوریہ تکبر کے باعث طاقت کی اغوش میں چلے گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی اپنے ہی اعمال اور تراکیب کا نتیجہ سمجھا۔ ان لوگوں کی اس سوچ نے انہیں شر میں مبتلا کیا اور وہ قرب کے بجائے دوری کا شکار ہوئے۔



بعض لوگوں نے محض نام نہاد شہرت کے لیے سب کچھ اختیار کیا۔ کچھ تصوف کے میدان میں آئے۔ کچھ عابد بن بیٹھے۔ بعض علم کے ناطے سے عالم بن گئے اور زندہ کے زور پر زامہ ہو گئے۔ لیکن یہ ان لوگوں کا فریب نظر تھا۔ ان کی غلط فہمی تھی وہ تو محض اپنے نفس کے لئے ان صورتوں میں ڈھیلے تھے۔ انہیں اپنی تعریف اور خوشامد پسند تھی۔ وہ اللہ کی ذات سے نزولِ بلا کے وقت کو رے اور بے سہر ثابت ہوئے۔ اللہ کی آزمائش کے تو وہ لائق ہی نہیں ہیں۔ لیکن ان کے برعکس اللہ کے عارف ہر آزمائش میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ وہ ہر بلا اور آزمائش کو بھی اپنے اللہ کی طرف ہی سے ایک نعمت اور ایک تحفہ سمجھتے ہیں۔ فتنہ اور شر سے بچتے ہیں اور اپنے پروردگار سے اپنا رشتہ برقرار اور قائم رکھتے ہیں۔

کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنے آپ کو **غفلت اور معرفت**؛ شیخ بنانے کے جویا ہیں۔ انہیں مریدوں کے عقد بھی اپنے گرد اچھے لگتے ہیں۔ مریدوں کی تعداد بڑھانا ان کے نزدیک فروغِ خمیر ہے۔ لیکن درحقیقت ایسے لوگ غافل لوگ ہیں۔ انہیں ولایت کا علم ہی نہیں ہے۔ یہ سراسر عسری اور مایوسی کا شکار ہیں۔ یہ لوگ ولایت کے تصور ہی کے لئے ناقص اور نااہل ہیں۔ کذب ان کے مقدر میں ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنا نظام ولایت و معرفت ہے۔ اللہ کی معرفت میں غفلت کو دخل نہیں ہے۔ معرفت سراسر رفعت اور قرب الہی ہے اور اس کے منفی ثمرات و اثرات ہیں۔ اہل غفلت کو تو ان کا ادراک ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ غفلت ایک طرح کی جمالت ہے اور اس غفلت میں عقیدہ الہی ہے۔ لیکن اللہ کے عارفوں کے لئے آگہی ہے۔ علم ہے اور معرفت کی نعمتیں اور امن سکون ہے۔

**استدراج**؛ اے میرے عزیز بھائیو! اللہ کی راہ میں بے شمار



سراب اور لاتعداد فریب ہیں۔ بندہ اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے ساتھ ان سے بچ جاتا ہے۔ میرے بھائیو! تم اپنی سادگی میں فریب نہ کھا جانا۔ جو لوگ اپنے اللہ کی طرف سے خاقل ہو کر غفلت اپنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نظر کی وسعتیں اور ہمت کی طاقتیں چھین لیتے ہیں۔ ان کی نظر بندش کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے خالق حقیقی کو پہچان ہی نہیں سکتا۔ ایسے لوگ جو حجابات میں آجاتے ہیں اللہ کا قانون انہیں مزید خسارے اور گھاٹے میں لے جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

سَلَسْتُمْ دُرُجَهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ

دایسے لوگوں کو ہم اس طرح دوزخ کی جانب لے جاتے ہیں کہ انہیں اپنی اس خفیت کی خبر بھی نہیں ہو پاتی ۔

یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فریب کا تعاقب کرتے ہیں۔ فریب اور سراب انہیں اپنا گردیدہ کر لیتے ہیں اور پھر وہ درجہ بدرجہ غفلت کے تعبِ منزلت میں گررتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اکی ہر آزمائش میں وہ ناکارہ اور بے صبر ثابت ہوتے ہیں۔ اور پھر اللہ کی جانب سے ان کے لئے کوئی مہلت باقی نہیں رہتی ۔

اے میرے پیارے بھائیو! کبھی نفس کے فریب کا شکار نہ ہوں۔ اپنے پروردگار کی تاراشگی کے متکبر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ جن امور کو پسند فرماتا ہے وہ میں نے بتا دیئے ہیں جو امور اللہ کو پسند نہیں ہیں وہ بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ کی ناپسند باتیں اگر تمہارے نفس کو بھاتی ہیں تو یہ ظلم ہے۔ اور اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ ایسے لوگ فریب کے تعاقب میں ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تم فریب کھا کر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر تکبر و تفاخر کرتے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ایسے قریب خوردہ لوگوں کے لئے نعمتوں کے پردے میں عذاب اور سزائیں

موجود ہیں۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا انتقام بڑا شدید ہوتا ہے۔ اور پھر اسی طرح جو لوگ ان قریب کاروں کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے حالات بہتر ہیں اور وہ حقائق کے قریب ہیں تو ایسے لوگ بھی غفلت کا شکار ہیں اور غفلت تو گمراہی ہے۔ اس لئے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی

**حالات اللہ کے ہیں :** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ اچھے حالات اور بہتر اوقات پر بھی اترانے اور فخر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ حالات اور وقت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے تابع ہیں۔ ان حالات اور وقت کی بہتری میں اگر کوئی غلط فہمی یا سراب و فریب کے باعث اترتا ہے تو وہ ایک حوالے سے سرکش ہو جاتا ہے اور اللہ کو سرکشی ہرگز پسند نہیں ہے۔

بندہ بزعیم خویش اپنے تئیں جن حالات اور اوقات کو اپنے لئے بہتر اور مفید محسوس کرتا ہے ان کے نیچے بھی بڑی بڑی آفتیں اور بلائیں ہوتی ہیں۔ فریبی اور سرکش ان آفتوں کو دعوت دیتے ہیں۔

عارفوں میں سے کسی عارف کا کتنا سچا اور صاف بیان ہے کہ ”اگر کوئی عارف یہ کہے کہ میں نے عرفان حاصل کر لیا ہے یا میں نے اپنا مقصد حقیقی پا لیا ہے تو اس عارف کا یہ گمان اور خوش فہمی اس کے لئے وبال بن جاتی ہے۔ اس طرح تو وہ اصل مقصود سے گم ہو جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے حقیقت کو پایا ہے اللہ کا قانون اسے گمراہی میں پھینک دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی عارف یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کھو گیا ہے۔ اس کی منزل کی اسے خبر ہی نہیں ہے تو اس حالت میں اسے اس کا مقصد مل جاتا ہے۔

اے میرے پروردگار تیری بارگاہ کے علاوہ میرے لئے کوئی اور نہیں ہے۔ تیرے سوا مجھے کوئی ہدایت نہیں بخش سکتا۔ تو ہی مجھے سکون اور الطمینان بخشنے والا ہے۔

میری توبہ بباطنی نہیں ہے کہ میں تیرے در سے اٹھ کر کسی اور کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکوں۔ میری محبت کا مرکز دُعا اے میرے خدا تو ہی ہے۔ میں تیری محبت ہی کا طالب اور ادنیٰ سائبندہ ہوں۔

اے اللہ! ہم تجھی سے مدد و استعانت کے طلبگار ہیں۔ تجھی سے ہماری فزاید ہے۔ ہماری تمام تمنائوں اور آرزوؤں کا مرکز تو ہی ہے۔ اس لئے ہماری تمنائیں تیری ہی بارگاہ میں پیش ہیں۔ ہمیں استعانت بخش۔ (آمین)

تمام تعریفیں اور حمدیں اللہ ہی کے لئے ہیں، وہی جہانوں کا پالنے والا ہے اور ان کا خالق و مالک ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر تحسین و تبریک اور درود و سلام ہو۔





[www.maktabah.org](http://www.maktabah.org)



[www.maktabah.org](http://www.maktabah.org)





سیرت النبی ﷺ معلومات	زابد حسین انجم
کے آئندہ میں	
باجمہ ﷺ ہوشیار	حاجی محمد منیر قریشی
سید المرسلین ﷺ	مولانا احمد رضا خاں بریلوی
معجزات خاتم المرسلین ﷺ	قمریزدانی
صحابہ کرام کا عشق رسول ﷺ	صوفی محمد اکرم رضوی
حدائق بخشش (نعت)	مولانا احمد رضا خاں بریلوی
مہرفاراں (نعت)	رفیع الدین ذکی قریشی
نعتیں جو مقبول ہوئیں	
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	محمد علی چراغ
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	محمد علی چراغ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	محمد علی چراغ
حضرت علی رضی اللہ عنہ	محمد علی چراغ
خلفائے راشدین	محمد علی چراغ
یار کامل (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ)	حاجی محمد منیر قریشی
تذکرۃ الاولیاء	فرید الدین عطار
قصص الانبیاء	
تذکرۃ حضرت شاہ جیل	محمد دین کلیم
تذکرہ حضرت صابر کلیر	تعارف راجار شید محمود
پیر کامل (حضرت داتا گنج بخش)	حاجی محمد منیر قریشی
حضرت میاں میر	اقبال احمد
کلیر کا چاند	ظہور الحسن شارب